عہدِ رسالت کے انتظامی خال وخط

پروفیسر محمد اقبال جاوید

ایک انسان جب اسلام قبول کرتا ہے تو وہ دراصل شہادتِ گہِ الفت میں قدم رکھتا ہے اسے اپنی سوچ کی لہروں، فکر کی اڑانوں، نظر کی رفعتوں، عمل کی سرگرمیوں اور ہونٹوں کی جنبشوں کو اس سانچے میں ڈھالنا ہوتا ہے جسے ''قرآن'' کہتے ہیں، جب انسان اس نظامِ زندگی کو اپنا لے جو قرآن پیش کرتا ہے تو پھر قرآن بھی انسان کو قابل قدر اعزازات سے نوازتا ہے۔ اُخروی سعادت تو بہر نوع مقدر ہوتی ہے۔ دنیاوی وقار بھی قدم چوم لیا کرتا ہے۔ سورہ نور(۱) میں مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ انہیں دنیا کی امامت وحکومت عطا ہوگی مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ ایمان دار اور متقی ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھیں کہ

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

اس سورت میں تین واضح وعدے ہیں:

۱۔حکومت وخلافت عطا ہوگی۔

۲۔اسلام کا پرچم لہرائے گا۔

۳۔ملکی بدانتظامی، نظم ونسق کے سلیقے میں بدل جائے گی۔

قرآنی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کا اولین فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو بھی اسلام کے ضابطے کے مطابق بسر کریں، دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں اور اسلام کی ضیائیں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچائیں، گویا ضابطۂ قرآنی کو نافذ کرنا اور خود کو اس کے مطابق ڈھالنا، ہر مسلمان کا اخلاقی اور دینی فرض ہے۔ انسانی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے۔

عبادت کا مفہوم محدود نہیں بلکہ زندگی کی طرح وسیع ہے۔ تسبیح وسجادے کی نمائش عبادت نہیں بلکہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے جسم کو اس انداز سے جھکانا ہے کہ رکوع وسجود کے ساتھ ساتھ دل کے پرچم بھی جھک جائیں اور روح کی ہر لرزش، اس کی یاد بن جائے:

نفس کی آمد و شد ہے نمازِ اہلِ حیات
جو یہ قضا ہو تو پھر غافلو! قضا سمجھو

گویا مسلمان اللہ کے لیے، اللہ کے حکم کے مطابق جو کام بھی کرتا ہے وہ عبادت ہے گویا اسلامی ضابطے کے مطابق جب زندگی گزرے تو معاشرت کا ہر راستہ عبادت کی گزرگاہ بن جاتا ہے۔

دین احکام خداوندی کی عظمت اور خلقِ خدا پر شفقت کا نام ہے۔ایک اسلامی حکومت کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اس کے سائے میں عبادت کا یہ پودا پھل پھول سکے۔اسی لیے اسلامی سلطنت کا قیام ضروری ہے۔اگر کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے، دعوتِ حق سے نہ روکتے، عبادت میں مخل نہ ہوتے تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مضبوط مرکز، ایک اسلامی مملکت اور کفار کے ساتھ جنگ وجدل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ جب کفار حد سے بڑھے، مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا ہوگئی اور اخلاقی قدریں پامال ہوکر رہ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم ہتھیار اٹھاؤ، جنگ کے اس واضح حکم سے پہلے مدینے میں اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ کیونکہ اگر سلطنت نہ ہوتو منظم انداز سے نہ ظالم کا مقابلہ ہوسکتا ہے اور نہ کسی نوعیت کی لشکر کشی ممکن ہے۔سورہ حج میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ظالم قوم کے خلاف جنگ نہ کی جائے تو دوسری قومیں نہ صرف معاشرتی اعتبار سے دب جائیں گی بلکہ خدا کا نام لینے والا بھی کوئی باقی نہیں رہے گا، یہاں تک کہ عبادت گاہیں بھی ویران ہوجائیں گی۔(۲) اس وقت اقتدار وحکومت کے بغیر عبادت تو درکنار، مسلمان عرب کی فضاؤں میں سکھ کا سانس بھی نہ لے سکتے تھے۔نماز تو ایک طرف انہیں کعبے میں جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے قبل یہی دعا کی تھی کہ اگر مٹھی بھر مسلمان نہ رہے تو اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔(۳) گویا عبادت، مسلمان کا مقصد تخلیق ہے اور عبادت کا مفہوم زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور اسی عبادت کا تحفظ اسلامی حکومت کا اولین مقصد ہے۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ہر عمل عبادت ہے۔ یہاں تک کہ ایک سچے مسلمان کا سونا جاگنا، غرض زندگی کا ہر فعل عبادت ہے کیونکہ وہ اسی ایک معبودِ حقیقی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے جس کا بندہ ہونے کا وہ دعویٰ کرتا ہے، عبد کا معبود کے حضور میں، سر کے ساتھ ساتھ دل کو جھکا دینا، عبادت کا حسن ہے اور عبادت کی یہی شاخیں یوں پھلتی، پھولتی اور پھیلتی ہیں کہ وہ ایک سایہ دار، تناور اور گھنے پیڑ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔اور اس پیڑ کی چھاؤں میں سسکتی انسانیت سکون پاتی، آبلہ پا ستاتے اور درماندگی کو منزل کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ہجرت کے بعد مسلمان ایک منتشر قوم نہ رہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک نظام ابھر رہا ہے اور ایک سلطنت وجود میں آ گئی ہے، بغیر نظام کے سلطنت ایک بے معنی لفظ ہے۔اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ

مسلمان جواب ایک ملی وحدت اور سیاسی قوت تھے ان کی تنظیم ایسے خطوط پر کی جائے کہ کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس میں بدنظمی اپنے قدم جما سکے، ضرورت ایسے قانون کی تھی جو ان کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرے۔ ایسے اقتصادی نظام کی، جو عدل وانصاف پر مبنی ہوتے ہوئے معاشی خوشحالی کا ضامن ہو۔ سیرت واخلاص کے ایک ایسے قالب کی جس میں ملت کا ہر فرد اپنے کردار کو ڈھالے تا کہ اس کی خوبیاں اور نیکیاں اجتماعی رنگ اختیار کرلیں۔ ضرورت تھی ایک ایسے آئین کی جس پر ایک عالمگیر سیاست کی بنیاد رکھی جائے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کا اہتمام شروع ہی سے فرمادیا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورہ بقرہ اور دیگر سورتیں اسی عظیم مقصد کی تکمیل کرتی نظر آتی ہیں۔ گویا مدینے نے اسلامی سلطنت کو اولین بنیاد فراہم کی۔ مغربی مؤرخین کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیغمبر تھے اور مدینے میں شہنشاہ بن گئے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلطنت کے مالک ہوتے ہوئے بھی، بوریا نشین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطنت کی بنیاد بھی اسی لیے رکھی کہ اس کے بغیر نبوت کی تکمیل اور شرانگیزوں کا احتساب ناممکن تھا کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر شہنشاہ تھے تو کیا تاریخ ان کے کسی عالی شان ایوان، مزرو جواہر سے لبریز کسی خزانے، خدّام کی کسی فوج ظفر موج، آسائش وتعیش کے کسی پہلو اور غرور ونخوت کی کسی ادا کی نشاندہی کرسکتی ہے؟ نبوت کا سب سے بڑا مقصد، توحید ورسالت کا اقرار، قرآنی قوانین پر عمل، اخلاق وکردار کی عفت، زہد واتقا کی عظمت اور قلب ونظر کی تطہیر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی انتظامات میں بھی انہیں بنیادی امور کو پیش نظر رکھا۔ ایک نظر دیکھیے کہ اس نظام کے خدوخال کیا تھے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں مجاہدین کی خود قیادت فرمائی، جنگ تو ایک ناگزیر ضرورت تھی ہی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں بھی اخلاقی اصلاح سے غافل نہ تھے۔ روحانی کیفیات وہاں بھی ارتقا پذیر تھیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین نیاز، سراپا دعا ہو کر، اللہ کے حضور میں جھک جاتی تھی اور فتح کے بعد شکر کے سجدے، خوشی کا ماحصل بن جاتے تھے، اس کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم، قیدیوں اور مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال کے قوانین مقرر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں معمولی لغزشوں پر بھی گرفت فرماتے تھے۔ گویا مسلمان زندگی کے میدان میں بھی اور جنگ کے میدان میں بھی بے مہار نہ تھے بلکہ نظم وضبط اور اصول وقواعد کی اعلیٰ قدروں کے پاسدار تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور دراز علاقوں میں مختلف صحابہ کرامؓ کو والی بنا کر بھیجا، مگر بیشتر مسائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حل فرمایا کرتے تھے۔ ان مسائل میں احتساب وتعزیر، مختلف قبائل کی رنجشوں کو ختم

کرنا، نومسلموں کے معاملات، مؤذن اور امام مقرر کرنا، جھگڑوں کا فیصلہ، مسلم قبیلوں میں جائیداد کی تقسیم، زکوٰۃ اور جزیے کی وصولی، غرض کتنے ہی امور تھے جنہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیا کرتے تھے۔ لوگ اپنے مقدمات لے کر جب چاہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتے، خواتین بھی اپنی الجھنیں پیش کرتیں۔ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معاملات کو جس انداز سے سلجھایا اور فیصلے دیئے، انہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امور سے کیسے عہدہ برآ ہوتے تھے اور پھر خوبی یہ کہ فیصلہ ہر فریق کے لیے قابل قبول بھی ہوتا تھا۔

ان انتظامی، معاشرتی اور حکومتی مصروفیات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوقِ عبادت اور معمولاتِ عبادت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر خالق کائنات کی عبادت کرتے یہاں تک کہ پاؤں متورّم ہوجایا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں کو دعوت اسلام دی، اس سلسلے میں انہیں مکاتیب بھیجے اس خط و کتابت کے لیے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ مقرر تھے اور بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے یہ دونوں حضرات لکھتے، مہر لگتی اور مکاتیب باقاعدہ لفافوں میں بند کرکے مکتوب الیہ کو بھیج دیئے جاتے، اس خط وکتابت کا ریکارڈ باقاعدہ ایک رجسٹر میں رکھا جاتا تھا۔

تعزیر و احتساب کے بغیر کوئی معاشرہ بھی پھل پھول نہیں سکتا۔ اگر سزا کا ڈر نہ ہو تو انسان بے لگام ہوجائے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر فرمائے جو شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ مختلف علاقوں میں متعین یہ والی، امن و امان کے ذمے دار اور عدل وانصاف کے داعی ہوا کرتے تھے۔ دیگر انتظامی معاملات بھی ان کے فرائض میں شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمّال کا تقرر اہلیت کی بنا پر فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ والی صرف منتظم ہی نہ ہوتا تھا وہ دین کا مبلّغ بھی تھا۔ اس لیے اس کا صاحبِ بصیرت ہونا بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا صاحبِ اتقا ہونا، علم اور تجربے کے لحاظ سے بھی اس کا وقیع ہونا ضروری تھا۔ اسی طرح اسے اخلاقی لحاظ سے بھی بلند اور مزاج کے اعتبار سے بھی معتدل ہونا چاہئے تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عاملین کو بہت سی ہدایات فرمایا کرتے تھے۔ جن کا ملخّص درج ذیل ہے:

۱۔ لوگوں کو خوفزدہ نہ کرنا بلکہ بشارت دینا۔

۲۔ اتفاق، اختلاف سے اہم ہے۔

۳۔ حسن اخلاق بہترین طرزِ عمل ہے۔

۴۔ جو لوگوں کو عذاب دیتے ہیں وہ خود عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

اس دور میں عرب کی اخلاقی حالت دگرگوں تھی، کاروباری دیانت، حسنِ معاملت اور ایفائے عہد کا کسی کو خیال نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں مسلسل احتساب کا عمل جاری رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی طور پر بھی ہر ایک سے پوچھ گچھ کرتے تھے۔ تجارتی امور بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں تھے۔ اخلاقی لغزشوں اور معاملات کی بدعہدیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز معاف نہ فرماتے۔ سٹے بازلوگوں کو سزا دیتے، خود بازار تشریف لے جاتے اور دیکھتے کہ کاروبار دیانت سے ہو رہا ہے۔ جہاں کوئی بات امانت و دیانت کے خلاف ہوتی، سرزنش فرماتے، زکوٰۃ و جزیہ وصول کرنے والوں کا بھی کڑا احساب کتاب ہوتا، جہاں کہیں جھگڑے کی اطلاع ملتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تشریف لے جاتے اور صلح وآشتی کا احساس دلاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک احتساب کا سلسلہ رہا مسلمان ہر لحاظ سے ترقی کرتے رہے، جونہی یہ معاملہ ڈھیلا ہوا اخلاقی نقطۂ نظر سے معاشرہ ویران ہو گیا کیونکہ بغیر عمل کے نہ کوئی تعلیم کارگر ہے اور نہ کوئی ہدایت مؤثر۔

زکوٰۃ اور خراج وغیرہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ لوگ مقرر کئے تھے۔ اکثر قبائل کے سرکردہ لوگوں کے سپرد یہ کام کیا جاتا تھا بعض اوقات قبائل خود خراج ادا کر جایا کرتے تھے۔ ویسے بھی زکوٰۃ وخراج کی وصولی کا کام سال میں ایک دوبار ہوتا تھا۔ زکوٰہ وصول کرنے والوں کو صحراؤں اور جنگلوں مین مقیم قبیلوں تک بھی پہنچنا ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن رواحہ، زیاد بن لبید، عمرو بن العاص، مالک بن نویرہ، عبادہ بن بشیر اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم جیسے لوگ تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کے لیے مقرر فرمایا کرتے تھے۔ یہ اصحاب خود بھی دیانت دار اور امین ہوا کرتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پورا پورا احساب لیا کرتے تھے۔ محض اعتبار پر معاملہ نظر انداز نہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار اہل خیبر نے عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت پیش کی آپ نے اسے حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا ''اے خدا کے دشمنو! تم مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو۔'' ان لوگوں کو اس کام کا معاوضہ ملتا تھا مگر ضرورت سے زیادہ نہیں، بعض لوگ درخواست دیا کرتے تھے کہ انہیں وصولی پر مقرر کیا جائے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ایسی درخواستیں رد فرماتے اور خود اپنی بصیرت اور تجربے کی روشنی میں اشخاص کا تقرر فرماتے کیونکہ معاملہ دولت کا تھا اور زر وسیم کی چمک دمک کمزور ایمان والے شخص کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا کرتی ہے۔

جو اقوام اسلام قبول نہیں کرتی تھیں ان سے رواداری کا سلوک کیا جاتا اور ان سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ ان کی حفاظت کا ذمہ اسلامی حکومت کے سپرد ہوتا، ان کے ساتھ جو معاہدے کئے جاتے ان میں کچھ اخلاقی پابندیاں بھی ہوتی تھیں، مثلاً سود کا کاروبار نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے دشمنوں سے کوئی ساز باز نہیں کریں گے، بعض اوقات جزیہ پارچات اور مال کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذرائع آمدنی چار تھے:

۱۔ مالِ غنیمت، ۲۔ زکوٰۃ وعشر، ۳۔ جزیہ، ۴۔ خراج

مالِ غنیمت کے اصول قرآن پاک نے مقرر فرمائے تھے۔ غنیمت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھی۔ اس کی تقسیم کا طریق کار یوں تھا کہ پانچواں حصہ حکومتِ الٰہیہ کے لیے الگ کر لیا جاتا تھا اور باقی سپاہیوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ سواروں کو دو اور پیادوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ خمس ضرورت مندوں کے کام آتا۔ زکوٰۃ، نقد، پیداوار، پھل اور مویشیوں (بجز گھوڑا) کی شکل میں ہوتی تھی۔ سونے چاندی پر بھی زکوٰۃ لی جاتی تھی۔ بارانی زمینوں اور آبپاشی کی زمینوں سے بھی حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ یہ زکوٰۃ، فقیر، مسکین، غلام، مسافر اور مقروض کے لیے بھی تھی اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کی تنخواہ اور دیگر فلاحی کاموں میں بھی صرف ہوتی تھی۔ جزیے غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا، بچے، عورتیں، مذہبی خدمت گزار اس میں شامل نہ تھے۔ عموماً بالغ مردوں سے ایک دینار فی کس وصول کیا جاتا تھا، عہدِ نبوت میں بحرین سے سب سے زیادہ جزیے کی وصولی ہوتی تھی۔ غیر مسلم کاشت کاروں سے پیداوار کا خاص حصہ وصول ہوتا تھا۔ یہ شرح باہمی مشورہ سے طے پاتی تھی۔ فدک، خیبر، وادی القریٰ کے علاقوں سے خراج ملتا تھا۔ خراج اور جزیہ کی رقم جنگی مصارف پر صرف کی جاتی تھی۔ سپاہیوں کو تنخواہ بھی اسی سے ملتی تھی اور تمام اخراجات کا ریکارڈ باقاعدہ رجسٹر میں ہوتا تھا۔

عرب میں مدینہ اور طائف دو ایسے علاقے تھے جو سرسبز وشاداب تھے۔ باقی عرب ریگستان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ریگستان کو آباد و شاداب بنانے کا منصوبہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف زمینیں جاگیروں کی شکل میں مختلف اصحاب کو تقسیم کر دیں۔ تاکہ وہ ان کو آباد کریں اور وہاں فصلیں پیدا ہوں۔ پھل دار شجر پھلیں پھولیں اور سبزیاں لہلہائیں۔ پولیس کے محکمے نے باقاعدہ شکل تو بنی امیہ کے دور میں اختیار کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس کی ابتدا ہو گئی تھی، قیس بن سعدؓ اس کام پر مامور تھے۔ وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے۔

نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تدریس کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ اصحاب صفہ کے ذمے یہی کام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں سے بھی تعلیم دینے کا کام لیا۔ مگر ان کی مذہبی ترتیب کی آپ ﷺ براہ راست خود نگرانی فرمایا کرتے تھے۔

غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام وضع نہ فرمائے ہوں ہر شے ایک نظم وضبط اور قرینے سے ہوتی تھی۔ ایک نظام تھا جس کے بنیادی اصول قرآن مجید سے اخذ کئے گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت نے انہیں عملی زندگی میں رائج کر دیا تھا۔ اگر ہم عہدِ رسالت

کے انتظامی ڈھانچے پر ایک نظر ڈالیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک اولین بنیاد تھی جس پر مستقبل میں نظامِ خلافت کا ایک رفیع الشان قصر تعمیر ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ النور:۵۵

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

۲۔ الحج:۴۰

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا

۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۸۷ء: ج۳، ص۳۸

ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے یہ الفاظ دیئے ہیں:

اللهم ان تهلك هذه العصابة اليوم لاتعبد

عہد فاروق کے باکمال

پروفیسر علی محسن صدیقی

عہد فاروقی میں نمایاں خدمات انجام دینے والے

تیس صحابہ کرام کا مبسوط تذکرہ

صفحات ۳۱۲ ۲۴۰/روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔۷۴۶۰۰ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

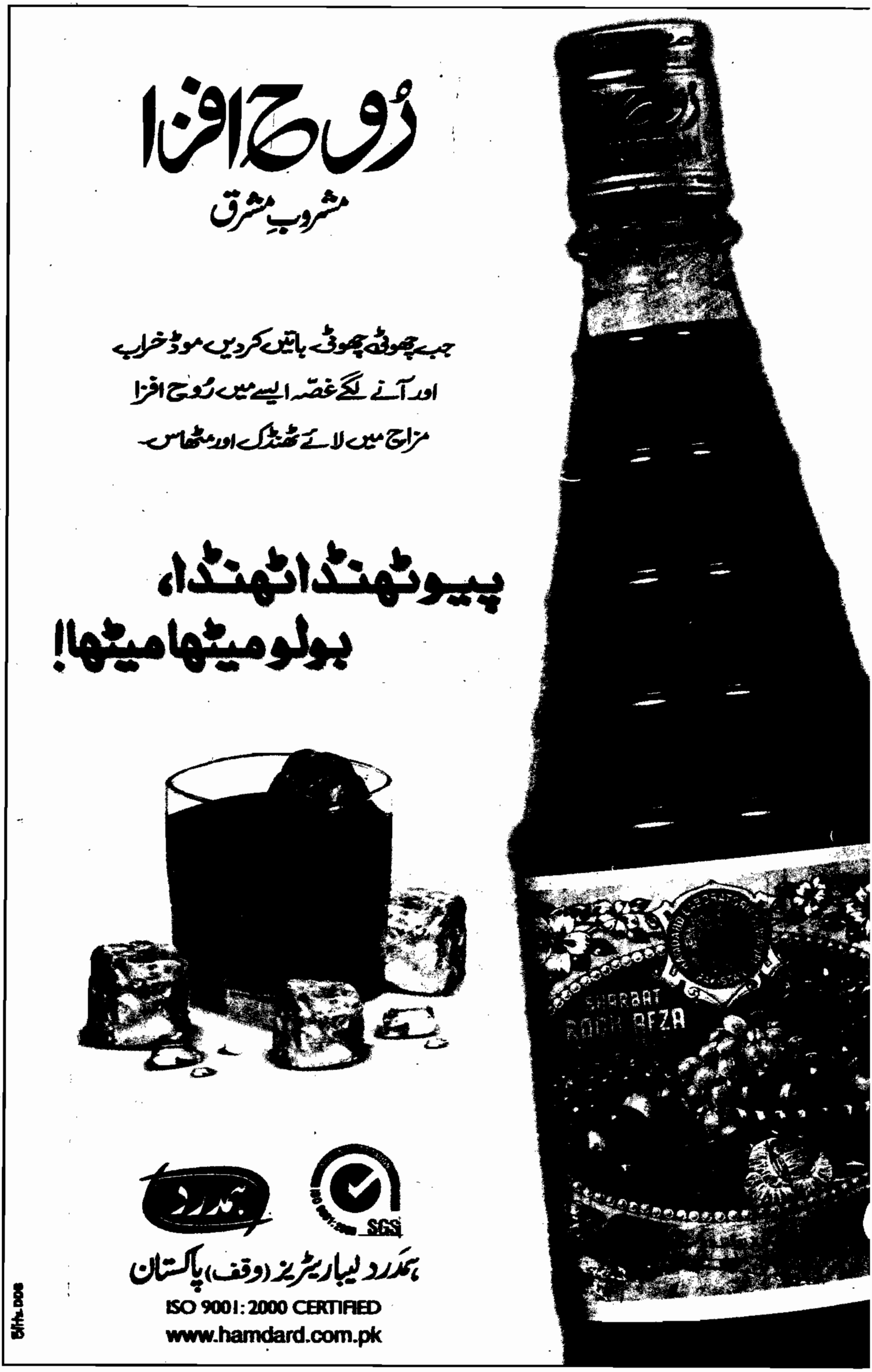
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کردیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصّہ ایسے میں رُوح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
SHARBAT
ROOH AFZA
ہمدرد
SGS
ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 CERTIFIED
www.hamdard.com.pk

فکر وتدبر

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مظاہر کائنات کے مطالعے ومشاہدے، اس میں غور وتدبر، اور اس کے محکم نظام پر غور کرنے کی بار بار دعوت دی ہے۔ غور وتدبر اور فکر کے عمل سے حاصل ہونے والی تازہ اور نت نئی معلومات انسان کے ذخیرۂ علم میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس طرح انسان ہمیشہ قدیم معلومات کی تنظیم اور نئے علوم وحقائق کی دریافت کرتا رہتا ہے۔

انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں علمی تحقیق اور انکشافات واکتشافات کی یہی بنیاد رہی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (۱)

ان سے کہہ دیجئے! کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ○ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا (۲)

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب وروز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں فکر کرتے رہتے ہیں (پھر اس کی معرفت سے لذت آشنا ہو کر پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمۡ یَتَفَكَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ (۳)

کیا انہوں نے کبھی اپنے من میں غور نہیں کیا۔

آگے دیکھیے:

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ O (۴)

پس انسان کو غور (وتحقیق) کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا:

قُلِ انۡظُرُوۡا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ O (۵)

فرما دیجیے! تم لوگ دیکھو تو سہی آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات) میں قدرتِ الٰہیہ کی کیا کیا نشانیاں ہیں؟

یہ تمام آیات قرآنی کہہ رہی ہیں کہ دلائل تو بہت ہیں مگر تمہارا غور وفکر کرنا شرط ہے۔ غور وتدبر کرنے کے لیے دلائل قدرت کی کوئی کمی نہیں، کائنات میں تو دلائل کا انبار لگا ہوا ہے جن سے ہر شخص بآسانی حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل وشعور کے ساتھ نظر ڈالے۔

انسان کو عام طور پر اپنی زندگی میں بہت سے ایسے مراحل ومسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اس کے لیے مشکل ہوتے ہیں یا اس کی راہ میں کچھ رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں اور مقصد تک رسائی نہیں ہو پاتی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو غور وتدبر اور تفکر کی تعلیم دی اس نے انسانوں کو مظاہر کائنات میں مطالعے مشاہدے اور غور وتدبر کی دعوت دے کر اس علمی اور تحقیقی اور سائنسی نظریے کی بنیاد رکھی جس میں ابتدائی طور پر مطالعہ ومشاہدے کیا جاتا ہے۔ تفصیلات یکجا کی جاتی ہیں اور پھر نتائج وثمرات نکالے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا بار بار انسان کو مشاہدہ اور غور وتدبر کی دعوت دینا مسلمانوں کو علوم و معارف کی طرف متوجہ کرنے اور تجربات وتحقیقات کرنے کا محرک تھا۔ اسی غور وتدبر کے نتیجے میں اسلامی دنیا میں علمی ترقیوں کے باب روشن ہوئے، مسلمانوں میں علوم کے چشمے پھوٹے، یہ وہ وقت تھا کہ جب بلاد اسلامیہ سے علوم و معارف کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر یورپ پر پڑیں اور ان ہی کرنوں کے نتیجے میں یورپ نے اپنی جہالت کا غلاف چاک کیا۔ اس کے نتیجے میں یورپ میں علمی غور وفکر اور تدبر وتحقیق کا دروازہ کھلا جس سے جدید علمی ترقیات ظہور پذیر ہوئیں۔

قرآن مجید اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بڑا زور دیا کہ انسانی عقل کو ان پابندیوں سے آزاد کیا جائے جو انسانی عقل کو اپنے نرغے میں لیے ہوئے ہیں اور غور وفکر کی راہ میں رکاوٹ

ہیں۔ پرانے خیالات اور مروجہ عرف و رواج فکری جمود پیدا کرنے اور جدید افکار قبول کرنے کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ انسان عام طور پر ان چیزوں پر اصرار کا رجحان رکھتا ہے جو اس کے نزدیک مانوس ہوں۔

قدیم افکار و عادات سے پیچھا چھڑانے کے لیے جد و جہد، ارادہ اور عزم بالجزم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی طرح حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان تمیز کی صلاحیت پیدا کرنے والی غیر جانب دارانہ اور تجزیاتی غور و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں بیشتر لوگ اپنے آبا و اجداد کے عقائد اور ان کے طریقہ ہائے عبادت پر مصر رہتے تھے۔ انبیاء (علیہم السلام) کے ذریعہ آنے والے عقیدۂ توحید پر قدیم افکار و رواج سے پوری طرح آزاد ہو کر غور کرنے کی صلاحیت ان کے اندر نہیں ہوتی اس لیے ان سے دست کش ہو کر دینِ توحید کو قبول کرنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کریم کی بیشتر آیات اس بات کی شاہد ہیں۔

قرآن کریم نے انسان کو ظن و تخمین کی پیروی سے روکا اور اس حق کو اختیار کرنے کی تبلیغ و دعوت دی جس کی تائید و تصدیق دلائل صحیحہ سے ہوتی ہے قرآن و حدیث نے ان خواہشات و رجحانات کے زیر اثر آنے سے بھی منع کیا ہے جن کی وجہ سے گروہ بندی ہوتی ہے اور افکار منتشر ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے افراد کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ اللہ کی نشانیوں، اس کی بنائی ہوئی کائنات اور محیر العقول مخلوقات میں غور و فکر کریں کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیاء میں غور و تدبر کرنا عبادت کی ایک نوع ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تھوڑی دیر غور و فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تفکروا فی آلاء اللہ تعالیٰ ولا تتفکروا فی ذات اللہ (۷)

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرو اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر نہ کرو (کیوں کہ تم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے)۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، اس کی مخلوقات اور کائنات کے مربوط نظام اور مظاہر کائنات میں کارفرما اٹل قوانین میں غور و تدبر کرنے سے اس کائنات کے خالق و مالک اور مدبر پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے، اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و تدبر کی تعلیم دی اور خود اللہ تعالیٰ کے بارے

میں غور وفکر سے منع کیا۔ کیوں کہ عقل انسانی دائرۂ قدرت سے باہر کی چیزوں کے ادراک سے عاجز وقاصر ہے۔ذات باری تعالیٰ بے مثل وبے مثال ہے اور انسانی عقل عالم محسوس سے ادراک شدہ صورتوں اور ان کی بنیاد پر بننے والے تصورات ونظریات ہی کے ذریعے غور وفکر کرتی ہے۔ لہٰذا انسانی عقل عالم غیب اور ذات باری تعالیٰ کے بارے میں جب بھی غور کرنا چاہے گی تو لازماً اسے اپنے پاس موجود حسی صورتوں سے مدد لینی پڑے گی۔ اور انسان جب اس طریقے سے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں غور وتدبر کرے گا جس کے مثل اس عالم محسوسات کی کوئی چیز نہیں ہے تو وہ یقیناً گمراہ ہوگا۔ اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انسانی عقل کی کوتاہی اور اس کے محدود ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غور و تدبر کا فریضہ سرانجام دینے والی عقل کی تعریف فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد قیس سے فرمایا:

ان فیك خصلتین یحبهما الله و رسوله الحلم و الاناة (۸)

تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں عقل اور احتیاط۔

علامہ الامام ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین النوویؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حلم سے عقل مراد ہے اور اناۃ سے مراد ترک عجلت ہے، عقل وشعور انسان میں ایسی ستودہ صفات پیدا کر دیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہیں۔ عقل انسان کو صدق وخیر کی طرف لے جاتی ہے۔ اور شر اور فتنے سے دور کرتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو غور وفکر، تدبر اور عقلی استدلال پر ابھارتے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے جاتے ہوئے پوچھا اے معاذ کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قرآن حکیم سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے دوبارہ پوچھا کہ اگر قرآن حکیم میں حکم مذکور نہ ہو تو انہوں عرض کیا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ اللہ کے رسول نے پھر پوچھا کہ اگر رسول کی سنت میں بھی وہ حکم موجود نہ ہو پھر کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو توفیق بخشی۔ (۹) اس مشہور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرام کو زندگی کے ان مسائل ومعاملات میں جن کا حکم قرآن وسنت میں مذکور نہیں غور وتدبر سے کام لینے اور عقلی استدلال کی ترغیب فرما رہے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر حاکم نے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کیا اور اس کا فیصلہ درست ہوا تو اسے دو اجر ملیں گے اور

اگر اجتہاد سے فیصلہ کرنے میں اس سے کوئی غلطی ہوگئی تو اسے ایک اجر ملے گا۔ (۱۰)

قرآن مجید فرقان حمید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کو جس قدر فکر و نظر، غور و تدبر اور عقل و شعور سے کام لینے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اتنی کسی اور آسمانی مذہب میں نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بہت سی ترغیبات دی ہیں کہ اس شخص کو اس کے اچھے طریقے ایجاد کرنے پر قیامت تک اس پر چلنے والے تمام لوگوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

افکار و نظر میں اغلاط کا ایک بنیادی سبب دوسرے افراد کے افکار و خیالات کی اندھا دھند تقلید ہے قرآن مجید نے اور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار و مشرکین پر سخت تنقید کی ہے جو اپنے آباو اجداد کی افکار و آرا کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور بت پرستی اور شرک کے بارے میں ان کے نظریات و عقائد پر مضبوطی سے قائم ہیں ان کی ہر تان ابـاء نـا کـذلك یـفعلون پر ٹوٹتی ہے قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو ان باطل اوہام و افکار کی زنجیروں سے آزاد کرایا جائے۔

عقلی تجزیہ، غور و فکر، تدبر و مشاہدہ، مطالعہ اور علمی تحقیق قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اہم عوامل میں شامل ہے جن سے مسلمان محققین اور دانش وروں نے اثر لیا اور اسی غور و تدبر کے نتیجے میں عملی میدانوں میں اہم کارنامے سرانجام دیئے، یہ اسی غور و تدبر کا نتیجہ تھا جس نے مسلمان مفکرین و علماء کو آزادانہ عقل و شعور کے ساتھ تحصیل و تحقیق علم پر اس وقت آمادہ کیا جب یورپ والے جہالت کی چادر تانے سو رہے تھے اسی اساس پر مسلمانوں کو علمی عروج حاصل ہوا۔ یورپ کی علمی بیداری کے ابتدائی دور میں یورپی افکار کو صحیح راستے اور مناسب ڈگر پر لانے میں مسلمانوں کی علمی ترقی کا بڑا اثر تھا، مختلف علوم میں انہوں نے مسلم مفکرین کی تحقیقات و تصنیفات سے استفادہ کیا۔ مسلمانوں کے غور و تدبر والے انداز کو اپنایا ان کے منہج تحقیق سے استفادہ کیا جدید یورپی بیداری سے پہلے عہد وسطیٰ میں یورپ کی جامعات میں مسلم مفکرین علماء کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

ٹھوس نتائج اور عمیق فکر کی مذہب اسلام ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا ہے اسی لئے دلائل و براہین کے بغیر حکم نافذ کرنے اور نتائج اخذ کرنے کی ممانعت ہے، ایسے افراد جنہیں علمی و منطقی فکر و نظر کی سمجھ نہیں ہوتی وہ قلیل جزئیات سے عمومی نتائج حاصل کرنے شروع کر دیتے ہیں حالاں کہ وہ قلیل جزئیات ان عمومی احکام و نتائج تک نہیں پہنچاتے۔

قرآن مجید ہمیں اس طرح کی اغلاط میں پڑنے سے منع کرتا ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (۱۱)

اور (اے انسان) تو اس بات کی پیروی نہ کر جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں بے شک کان، آنکھ، دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ (۱۲)

ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں بے شک گمان حق سے معمولی سا بھی بے نیاز نہیں کرسکتا یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایا کم والظن فان الظن اکذب الحدیث (۱۳)

تم لوگ ظن سے بچو کیوں کہ ظن سب سے جھوٹی بات ہوتی ہے۔

ان آیات اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ کان (حواس) کے ذریعے معلومات حاصل ہوتی ہیں پھر دل (ذہن) اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو مرتب شکل دیتا ہے جدید دور نے علم صحیح کا یہی نظریہ قبول کر رکھا ہے۔

قرآن مجید نے مظاہر فطرت پر غور وخوض کرنے کی ترغیب دی۔ جس کی تائید مختلف آیات قرآنی سے ہوتی ہے۔ یہ آیتیں تین باتوں کی تلقین کرتی ہیں علم صحیح کی تلاش، مظاہر کائنات پر غور وخوض، تسخیر کائنات کا ارادہ۔ یہی تین باتیں سائنسی نقطۂ نظر کی تشکیل کرتی ہیں دنیا میں سائنسی نقطۂ نظر قرآن مجید نے دیا ہے قرآن مجید کی بتائی ہوئی روشنی پر چل کر مسلمان بتدریج سائنسی فکر کو پروان چڑھا رہے تھے۔ اس میں اندلس کے عربوں کا حصہ زیادہ تھا۔ مگر ابھی یہ پودا برگ وبار لانے والا ہی تھا کہ اندلس تباہ وبرباد ہوگیا پھر یورپ والوں نے اس پودے کو پروان چڑھایا۔ بیکن، کوپرنیکس، نیوٹن کی اصل کتابوں کا مطالعہ کیجئے یہ سب مسلمانوں کے احسان مند ہیں۔ (۱۴)

فکر ونظر، غور وتدبر کے بناؤ سنگھار اور نکھار میں اور حقائق تک رسائی کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور غلطیوں کے ازالے میں جو عوامل مدد کرتے ہیں ان میں بحث ومباحثہ اور تبادلۂ خیال اور مشاورت نہایت

اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کا حکم فرمایا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (۱۵)

اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیں۔

تبادلۂ خیال اور مشاورت سے مسئلہ کے تمام پہلو واضح ہو جاتے ہیں اور بات کی حدود متعین ہو جاتی ہیں کچھ نئی تجاویز اور آرا سامنے آتی ہیں۔ جو مسائل وسوالات کا اطمینان بخش جواب تلاش کرنے اور مسئلہ کے کامیاب حل تک پہنچنے میں مدد دیتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے چنانچہ غزوۂ بدر ہونے سے پہلے آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور جب انصار نے قتال سے اتفاق کیا تو آپ مطمئن ہو گئے، اسی طرح میدانِ جنگ کے بارے میں بھی آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور غزوۂ بدر میں کفارِ قریش پر فتح پا جانے کے بعد بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ اسی طرح غزوۂ خندق میں بھی صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور مدینے کے اردگرد خندق کھودنے کے بارے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی صائب رائے اور مشوروں کو آپ نے قبول فرمایا۔ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ صحابہ کرام کو بھی غور وفکر کرنے، تدبر وتفقہ سے کام لینے اور باہم مشاورت کی تلقین وترغیب دیتے تھے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ غور وفکر اور تدبر کے مراحل میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور انسان ٹھوکریں بھی کھا جاتا ہے اور بعض اوقات غور وتدبر کی راہ میں کچھ رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں جو انسان کے غور وتدبر کے عمل کو صحیح ڈگر سے پھیر دیتی ہیں اور حقائق کی آگہی میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، جب بھی غور وفکر اور تدبر کی راہ میں پیہم رکاوٹیں جمع ہو جائیں تو افکار میں جمود پیدا ہو جاتا ہے اور دل ودماغ جدید افکار وآرا قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں پھر حق وباطل اور خیر وشر کے درمیان تمیز، حقائق وواقعات کی دریافت، علوم کے حصول، اور ترقی وکمال کے مدارج تک رسائی نہیں ہو پاتی۔ غور وفکر معطل ہونے کے بعد انسان اپنی جانوروں سے ممیز کرنے والی امتیازی صفت کھو بیٹھتا ہے بلکہ حیوان کے مانند یا اس سے بھی گمراہ تر ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْيَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (۱۶)

کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے انسان کو غور وفکر کی عام دعوت دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف غور وفکر کی تلقین کی، فکر و تدبر سے کام لینے کی ہدایت کی، بلکہ عملی طور پر صحابۂ کرام کو مختلف امور میں شامل کر کے اور ان سے مشورے کا اہتمام فرما کر اس سلسلے میں ان کی تربیت بھی فرمائی۔ آج ہمیں عالمی حالات کے تناظر میں غور وفکر اور تدبر سے کام لینے کی اشد ضرورت ہے، تا کہ ہم ان عصری مطالبات سے عہدا برا ہوسکیں، جن کا آج ہمیں سامنا ہے، اور بحیثیت مسلمان ہم پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں بطریق احسن اور اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق ادا کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

حوالہ جات

۱۔ العنکبوت:۲۰
۲۔ آل عمران:۱۹۰،۱۹۱
۳۔ الروم:۸
۴۔ الطارق:۵
۵۔ یونس:۱۰۱
۶۔ امام غزالی: احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۲۳
۷۔ ایضاً: ص ۴۲۳
۸۔ یحییٰ بن شرف الدین النووی: ریاض الصالحین، ص ۲۳۴، مطبوعہ دمشق
۹۔ ترمذی، السنن: ج ۳ ص ۶۶
۱۰۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد
۱۱۔ الاسراء:۳۶
۱۲۔ یونس:۳۶
۱۳۔ صحیح بخاری: حدیث ۶۰۶۳
۱۴۔ پروفیسر سید محمد سلیم، اذکارِ سیرت۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی: ص ۹۲،۹۱
۱۵۔ آل عمران:۱۵۹
۱۶۔ الفرقان:۴۴

منظوم سیرت نگاری

ایک علمی و تحقیقی جائزہ

پروفیسر عبدالجبار شاکر☆

اسلامی ادبیات میں سیرت وسوانح کا موضوع بہت اساسی اور کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔قرآن مجید میں مختلف انبیاء ورسل علیہم السلام کے تذکارِ مبارکہ کے ساتھ مختلف اقوام وملل کے ایسے کرداروں کو بھی متعارف کرایا گیا ہے جو اللہ کے دین کے باغی اور اس کی سرزمین پر اپنی قوت و جبروت اور اقتدار کی نمائندگی کرتے تھے۔یوں خیر وشر کی نمائندہ شخصیات کا تعارف تمام مذہبی کتابوں میں دکھائی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں جس شخصیت کی سیرت وسوانح کا سب سے مکمل اور جامع نقشہ پیش کیا گیا ہے، وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مطہرہ ہے۔سیرتِ نبوی ﷺ کے حوالے سے دنیا کی ایک سو سے زائد زبانوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین ومقالات لکھے جاچکے ہیں۔ان مطبوعات ومخطوطاتِ سیرت کی گراں قدر تعداد کا اندازہ ان تیس کے قریب فہارس سے بھی ہوتا ہے جو مختلف زبانوں میں کتبِ سیرت کی تفصیلات کے حوالے سے مرتب کی گئی ہیں۔اگر یہ تمام کتب ومقالات دنیا سے ناپید ہوجائیں اور صرف قرآن مجید کا متن محفوظ رہے، اور اس کی ضمانت خود خالقِ کائنات نے دے رکھی ہے، تو اس کی مدد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی جملہ تفصیلات کو از سرِ نو جانا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی دعوت، غزوات، جدوجہد اور کارنامۂ نبوت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے سوانحی نقوش کے واضح اشارات بھی ملتے ہیں۔

تاریخ عالم میں ہزاروں شخصیات کے تذکرے اور کارنامے دکھائی دیتے ہیں، ان میں سے بیشتر شخصیات کی سیرت وسوانح کی کامل تفصیلات ضائع ہوچکی ہیں یا پھر ان کے گرد مبالغہ آمیز روایات اور طلسمات کا تانا بانا بن دیا گیا ہے۔اس مبالغہ آمیزی نے ان کی شخصیت کے بشری اور روحانی پہلوؤں کو گہنا دیا ہے۔عظیم شخصیات کی اس کہکشاں میں ایک ہستی ایسی ہے جو مہرِ عالم تاب اور خورشیدِ جہاں تاب کی

☆ ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طرح روشن ہے، اس کی راتوں کے اعمال بھی اس کے دن کی سرگرمیوں کی طرح منور دکھائی دیتے ہیں۔ قدرت نے اس کی سیرت وسوانح کی حفاظت کے لئے متنوع انتظام کئے۔ قرآن مجید میں ان کی دعوتی جدوجہد کے مختلف مراحل کو اگر محفوظ رکھا گیا تو آپ کے ڈیڑھ لاکھ کے قریب جاں نثار صحابۂ کرامؓ نے اپنے اعمال میں اس کی سیرت کو منتقل اور منعکس کرلیا۔ قرآن مجید کی آیاتِ بینات اگر اس نبوت کی شہادت فراہم کرتی ہیں تو آپ کے اعمال وافعال کو بھی ضابطۂ تحریر میں لایا گیا۔ اس سلسلے میں ایک طرف محدثین نے غیر معمولی کاوش اور عقیدت سے اس ذخیرے کو محفوظ کیا تو دوسری طرف نبوی زندگی کی سیکڑوں دستاویزات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ یہ میثاقِ مدینہ کی چون دفعات ہوں یا مختلف بادشاہوں اور اکابر کے نام آپ کے ایک سو سے زائد مکاتیب، یہ مدینے کی مردم شاریاں ہوں یا متعدد معاہدات، یہ کوئی امان نامہ ہو یا ہبہ نامہ، یہ کوئی خطبہ ہو یا فیصلہ، ان سب کو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں لکھا گیا اور محفوظ کیا گیا۔ ۱۵۸۸ کے قریب صحابہؓ نے آپ کے متعلق ہزاروں احادیث کو نقل یا بیان کیا ہے۔ احادیثِ مبارکہ کا یہ ذخیرہ تاریخِ انسانی کا سب سے نادر اور انمول خزانہ ہے جس میں ایک شخصیت سے متعلق قولی، فعلی یا تقریری روایات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ روایت ودرایت کے پختہ اور محکم اصولوں کے تحت مرتب کیا گیا۔ اس سلسلے میں اسماء الرجال کا وہ عظیم علم وفن منظرِ عام پر آیا جو اس سے قبل تاریخ میں مفقود دکھائی دیتا ہے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل اور مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۸۶ء میں **الاصابہ فی تمییز الصحابہ** کی تدوین کے موقع پر اس کے مقدمے میں اپنی وقیع رائے درج کی ہے:

> دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری اور نہ آج کہیں موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم المرتبت فن ایجاد کیا ہو، جس کے باعث پانچ لاکھ مسلمانوں کے احوال معلوم ہوسکتے ہیں۔

انسانی تاریخ کی یہ ایک انمول حقیقت ہے کہ ایک شخصیت کے احوال وکوائف کو محفوظ کرتے ہوئے لاکھوں دیگر افراد کے احوال بھی محفوظ ہوگئے ہیں۔ یہ ایک ایسی تاریخی صداقت اور شہادت ہے کہ جس کی نظیر اور مثال کسی تہذیب یا مذہب میں تلاش کرنا، دشوار ہی نہیں محال بھی ہے۔ آپ ﷺ کے جاں نثاروں نے آپ کے اقوال وفرامین اور اعمال وافعال کو تو محفوظ رکھا ہی ہے، آپ کی خاموشیوں، عادات وخصائل، اور احوال وشمائل کو بھی محفوظ کرلیا ہے۔ یہ تمام ترکاوشیں اور ذخائرِ سیرتِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کی سب سے منفرد اور امتیازی سیرت بنادیتے ہیں۔ انہی نگارشات اور روایات کی مدد سے وہ ہزاروں کتب اور لاکھوں مقالاتِ سیرت لکھے گئے ہیں جن کا تذکارِ سعید تا ابد جاری وساری رہے گا۔ اس بے

مثال تذکارِ سیرت کو نظم اور نثر ہر دو میں قلم بند کیا گیا ہے۔ نیز مسلمانوں کے علاوہ تقریباً، ہر دوسرے مذہب اور تہذیب کے دانش وروں نے بھی آپ ﷺ کے حضور خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

قرآن مجید سیرتِ نبوی کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ہے۔ اس کی سیکڑوں آیات میں آپ ﷺ کی مدح و توصیف اور کارنامۂ نبوت کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ اہلِ علم کے ہاں قرآن مجید کی بے مثل فصاحت و بلاغت کے باعث یہ ایک علمی بحث موجود رہی ہے کہ اپنے مثالی ادبی اسلوب اور اعجازِ بیان کے لحاظ سے یہ مقدس صحیفہ نثر کا نمونہ ہے یا نظم کے پیرائے میں لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اسلوب دنیا کا سب سے انوکھا اور نرالا طرزِ اظہار ہے۔ اس میں بیک وقت پیرایۂ نظم کی لطافتیں اور نفاستیں بھی موجود ہیں اور ایک باوقار اور سنجیدہ نثر کے تمام اجزا بھی جھلکتے ہیں۔ یوں شاید یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو بیک وقت نظم و نثر کے اعلیٰ امتزاجی اسلوب کی حامل ہے۔

زبان انسانی جذبات و احساسات کو ایک لباس پہناتی ہے۔ حروف اور الفاظ صرف تخیل اور تصور کی تجسیم ہی نہیں کرتے بلکہ انہیں ایک صوتی اور جمالیاتی آہنگ بھی عطا کرتے ہیں۔ دنیا کے ۲۹۲ ممالک میں آج چھ ہزار سات سو اسی زبانیں استعمال ہو رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک زبان کی ایک مخصوص لسانی اور ثقافتی اہمیت ہے مگر عربی، فارسی اور اردو زبانوں کا دنیا کی دوسری زبانوں سے تقابل کیا جائے تو صاف احساس ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجے کے خیالات اور جذبات کی ترجمانی کے لئے ان زبانوں میں بے پناہ قدرت اور صلاحیت موجود ہے۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے، یہ شاید انسانی تہذیب کی آخری اختراع اور متاع ہے، اس کی ساخت اور تشکیل میں کئی ملکوں اور نسلوں کی زبانوں نے حصہ لیا ہے۔ دنیا کی تمام آبادی کا پانچواں حصہ اس عظیم زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں گزشتہ پانچ صدیوں سے جو لاکھوں کتابیں سیکڑوں موضوعات پر تحریر کی گئی ہیں، ان کے کتابیاتی کوائف سے اس زبان کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو بلا خوفِ تردید بیان کیا جا سکتا ہے کہ عربی زبان کے بعد اسلامی علوم و فنون اور تہذیبی و ثقافتی اقدار و روایات کے تحفظ کے لئے اردو نے ایک تاریخی اور مثالی کردار انجام دیا ہے۔

ہر زبان کا علمی سرمایہ زیادہ تر نثر میں محفوظ ہوتا ہے مگر نظم اپنی مخصوص افادیت اور تاثیر کے باعث قبولیتِ عامہ کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ ہمیں اس تاریخی صداقت سے بھی اتفاق ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے آغاز میں منظومات سب سے پہلے وجود میں آتی ہیں، اس کے بعد اس کا نثری سرمایہ جنم لیتا ہے۔ جہاں تک دنیا کے عظیم شعری کارناموں کے موضوعات کا تعلق ہے، ان میں رزمیہ اور بیانیہ شاعری کو ہمیشہ فوقیت حاصل رہی ہے۔ ادبیاتِ عالم کا ایک سرسری سا جائزہ لیں تو یہ حقیقت الم نشرح ہو جائے گی کہ امراء

القیس کے قصائد، فردوسی کا شاہنامہ، کالی داس کے منظوم ڈرامے، ویاس کی مہابھارت، تلسی داس کی رامائن، ورجل کی انیڈ، ہومر کی الیڈ اور اوڈیسی، مولانا روم کی مثنوی معنوی، نظامی کا خمسہ، دانتے کا طربیہ ربانی، گوئٹے کا فاؤسٹ، ملٹن کی فردوسِ گم گشتہ، حالی کی مدّ و جزرِ اسلام اور اقبال کے جاوید نامے کی بیانیہ اور رزمیہ شاعری اپنا ایک مستقل مقام رکھتی ہیں۔ افلاطون چاہے اپنی مجوزہ ریاست میں شاعروں کو موزوں مقام نہ دے مگر معاشرے نے ہمیشہ ان کو اپنی آنکھوں پر بٹھایا اور صاحبانِ ذوق اور اربابِ دانش نے ہمیشہ شعر کو اپنے دل کی دھڑکن کے قریب محسوس کیا ہے۔ بعض نقادانِ ادب نے عقیدے و مذہب کے موضوع پر کی جانے والی شاعری پر تنقید کی ہے مگر مذکورہ بالا کلاسیکی شعری تخلیقات کا جائزہ لیجئے تو یہ سب عقیدے وعقیدت سے مربوط دکھائی دیتی ہیں اور ان میں اعلیٰ درجے کا تخلیقی شعور اور ادبی آہنگ ملتا ہے۔

یہاں پر نثر اور نظم کا تقابل مقصود نہیں، دونوں اپنے اپنے دائرے میں کمال دکھاتے ہیں۔ نثر اگر منضبط دماغی کاوشوں کی ترجمان ہے تو شاعری دل کے جذبات سے آراستہ ہوکر ایک وجدانی کارنامہ سرانجام دیتی ہے۔ بنی آدم جب کبھی اپنی خلوتوں میں کسی نوع کے جذباتی ارتعاش سے دوچار ہوتا ہے تو اظہارِ بیان کے لئے صرف اور صرف کسی نغمگی کی کیفیت کو تلاش کرتا ہے جس کا بہترین وسیلہ شاعری ہے۔ دنیا کی عظیم مذہبی نگارشات اسی نغمگی کے آہنگ میں ڈھلی ہیں۔ زبور کی مناجات نثر میں ہیں یا نظم میں، وہ اپنی ادائیگی کے لئے لحنِ داؤدی کا تقاضا کرتی ہیں۔ قرآن مجید بھی اپنے پڑھنے کے لئے تجوید و قرأت کے ضوابط کا تقاضا کرتا ہے۔ تمام مذہبی کتابیں اور صحائف جس لب و لہجے میں پیش کی جاتی ہیں، وہ نثری پیرائے کے بجائے نظم کے آہنگ میں ڈھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بندشِ الفاظ کا جادو نثر کی نسبت نظم میں زیادہ سرچڑھ کر بولتا ہے:

بندشِ الفاظ جڑنے میں نگوں سے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا (آتش)

قرآن مجید سراپا ایک الہامی اور سرمدی آہنگ میں ڈھلا ہوا ہے۔ اس کے ایک سو دس زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اردو زبان میں بھی گزشتہ دو سو سالوں میں اس کے ایک ہزار کے قریب ترجمے کئے گئے ہیں جن میں دس کے قریب منظوم تراجم بھی ملتے ہیں۔ پنجابی زبان جو اردو کی خواہرِ محترم ہے اس میں تو منظوم تفاسیر بھی لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح احادیث کو بھی نظم کیا گیا ہے۔ مدارس میں علوم اور فنون کی بہت سی کتابوں کو نظم کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ برصغیر کے دینی مدارس میں ابھی تک بعض فنون عربی یا فارسی نظم میں پیش کئے جاتے ہیں۔ تاریخ کی بڑی بڑی کتابوں کو نظم کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ مگر نظم کے اصل کمالات اس عقیدت بھرے موضوع میں ملتے ہیں جسے ہم ''نعت'' یا ''سیرت'' کی اصطلاح سے یاد کرتے

ہیں۔ یوں سیرت دنیا کے عظیم رزمیہ نمونوں میں سے اعلیٰ ترین کلام ہے۔ یہ سیرتِ مصطفوی ﷺ جس شخصیت کے مقدس احوال کو بیان کرتی ہے وہ اس عالمِ وجود کے ماضی، حال اور مستقبل کی سب سے عظیم ہستی ہے۔ سچ پوچھئے تو جو کوئی اس عظیم سیرت کے سائبان تلے پناہ لیتا ہے وہ بھی اس عظیم رزمیہ کا ناقابل فراموش کردار بن جاتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو دنیا کی بہت سی زبانوں میں منظوم ہیئت میں پیش کیا گیا ہے۔ اردو زبان کا دامن بھی اس سعادت سے بھرپور دکھائی دیتا ہے۔

شاعری دنیا کی ہر زبان اور بولی میں اپنا رس گھولے ہوئے ہے مگر اس کا بہترین اظہار جس زبان میں ہوا ہے، وہ بلا خوفِ تردید عربی زبان ہے۔ ذرا عصرِ جاہلی کی شاعری بالخصوص سبعہ معلقات پر نگاہ دوڑائیے، اس کی تاثیر اور جادوگری اپنے کو خود منوا لے گی۔ اس زبان کی لطافت نے معنی و بیان کے جو متنوع پیرائے اختیار کئے ہیں، ان میں تراکیب و تلمیحات کا جو حسن موجود ہے، تشبیہ و استعارے نے جو گل کاریاں کی ہیں، صنائع بدائع نے جو جادو جگائے ہیں، تخیل کی لالہ کاری اور بیان کی فسوں کاری سامع پر جو ایک سحر طاری کر دیتی ہے، ایمائیت جو اپنا حسن دکھاتی ہے اور مبالغہ ذہن کو جن بلندیوں سے آشنا کرتا ہے، یہ سب عربی شاعری کی ادنیٰ کرشمہ سازیاں ہیں:

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے جس خاندان میں آنکھ کھولی وہ حجاز میں فصیح ترین زبان بولنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس خاندان کا ہر فرد نہ صرف تحسینِ شعری کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا بلکہ خود بھی سخن گو تھا۔ الدکتور محمد احمد درنیقہ نے معجم الاعلام شعراء المدح النبوی ﷺ میں ان ۴۵۴ عرب شعرا کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے مدحتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اٹھایا ہے۔ ان شعرا میں خاندانِ نبوت کے بہت سے اکابر کے صرف وہ شعری نمونے دیئے گئے ہیں، جو آپ کی مدح و توصیف میں کہے گئے ہیں۔ ایسے ناموں میں عبدالمطلب بن ہاشم، ابو طالب، علیؓ بن ابی طالب، ابوسفیان بن الحارث اور ابوبکر صدیقؓ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اسی طرح دکتور محمد التونجی نے ''شاعرات فی عصر النبوۃ'' میں آپ کے عہد مبارک کی ۲۱۱ شاعرات کا ذکر کیا ہے جن میں آپ ﷺ کے خاندان کی بعض قریبی خواتین نے بھی شاعری کی اور آپ کی محبت وعقیدت میں شعر کہے ہیں۔ ایسی بلند مرتبہ خواتین میں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وھب بھی شامل ہیں، جن سے اپنے شوہر عبداللہ بن عبدالمطلب کا ایک مرثیہ اور اپنے نام دار بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب یہ شعر بیان کئے گئے ہیں :

بــارك فيك الـلــه من غلام

يـابـن الـذى فـى حـومة الحمـام

نـانـت مبـعوثٌ إلـى الأنـام

تبعت فى الحل و فى الحرام

تبـعـث بـالتوحيد والإسلام

ديـن ابيك البـر، ابـراهـام

خاندانِ رسالت کا ادبی ذوق قریش میں بہت متعارف تھا۔ ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب کی بہن خالدہ نے اپنے والد کی وفات پر مرثیہ کہا ہے۔ عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد عطا کی تھی وہ خود بھی شعر کا ذوق رکھتے تھے، ان کے بیٹوں میں حضرت حمزہؓ اور جناب ابوطالب بھی شاعر تھے، جب کہ ان کی چھ بیٹیوں کی شاعری بھی تذکروں میں محفوظ ہے۔ ان میں آپ ﷺ کی پھوپھیاں اُم حکیم، عاتکہ، اروی، صفیہ، امیمہ، اور برّہ شامل ہیں جنہوں نے اپنے والد عبدالمطلب کے مرثیے بھی لکھے ہیں۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں خدیجہؓ بنت خویلد، حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب، ام سلمہؓ اور عائشہؓ صدیقہ کے شعری نمونے دستیاب ہیں۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کے اشعار ملاحظہ ہوں:

نـطـق البـعـيـر بـفـضـل أحمد مخبـراً

هــذا الــذى شــرفـت بـه أم الـقـرىٰ

هــذا مــحــمـد خيـر مبـعـوث أتــى

فهـو الشـفيـع و خير من وطى الشرى

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اسماء بنت ابی بکرؓ بھی شعر کہتی تھیں۔ آپ ﷺ کے بچپن میں جس خاتون حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کی پرورش کی اور دودھ پلایا، وہ خود شاعرہ تھیں اور ان کی صاحب زادی الشیماء السعدیہ بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتی تھیں، صحابیات میں سے بھی بہت سی شاعرات کا تذکرہ ملتا ہے جیسے کہ حضرت خنساءؓ کے مرثیے اپنی دل سوزی اور تاثیر میں کمال رکھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے حضرات نے آپ ﷺ کی مدح و توصیف کی ہے۔ ایسے حضرات میں جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اور قبولیتِ اسلام کے بعد شاعری کی ہے، ان کو اصطلاح میں مخضرم کہتے ہیں، اس صف میں شامل شعرائے کرام میں حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن مالک، عبداللہؓ بن رواحہ، کعبؓ بن زہیر، لبیدؓ بن ربیعہ، الحطیہؓ، النابغہ الجعدیؓ، عمروؓ بن معدی کرب، ابوذہب الھذلیؓ اور حضرت خنساءؓ کے نام معروف ہیں۔ تذکروں

میں یہ محفوظ ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں پہلا قصیدہ ورقہ بن نوفل نے کہا ہے۔قبیلہ بنی واقف کے قیس بن الاسلت نے ایک قصیدہ کہا جس میں اہل مکہ کو آپ ﷺ کے معاملے میں صلہ رحمی کا مشورہ دیا۔ابو قیسؓ بن ابی انس نے ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کے حضور قصیدہ پیش کیا ہے۔ابوعزہ بن عبداللہ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں سے ایک تھا۔اپنی مفلوک الحالی کے باعث فدیہ کی رقم ادا نہیں کر سکتا تھا۔آپ ﷺ نے بغیر فدیے کے رہا کر دیا تو اس نے آپ ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر قصیدہ کہا۔ابوسفیان بن حارث کو جب فتح مکہ کے بعد معافی ملی تو اس نے ایک قصیدہ آپ ﷺ کے حضور پیش کیا۔اس موقع پر عباسؓ بن مرداس (آپ مشہور شاعرہ حضرت خنساءؓ کے صاحب زادے ہیں) بھی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے غزوۂ حنین کے سلسلے میں کئی قصائد کہے ہیں، جن میں آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف موجود ہے۔غزوۂ حنین میں قبیلہ ہوازن کا سردار اور سپہ سالار مالکؓ بن عوف نصری تھا، شکست کے کچھ دیر بعد مسلمان ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قصیدہ نذر کیا۔خیال رہے کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی مخالفت میں جو محاذ قائم کر رکھا تھا اس کا ایک پہلو ہجو یہ شاعری بھی تھا۔اس محاذ کا مقابلہ کرنے کے لئے کعبؓ بن مالک، حسانؓ بن ثابت اور عبداللہؓ بن رواحہ جیسے نامور شعرا تھے۔آپ ﷺ نے بعض مواقع پر ان کے کلام کی اصلاح بھی فرمائی ہے۔دورِ جاہلیت کا آخری بڑا شاعر اعشیٰ ہے، جس نے کسرائے ایران کی شان میں بھی قصائد کہے اور انعام پایا۔فتح مکہ سے قبل اس نے آپ ﷺ کی شان میں ایک زبردست قصیدہ کہا اور پیش کرنے کے لئے حجاز کی جانب روانہ ہوا مگر راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ابن ہشام کی سیرت میں اس کا یہ قصیدہ محفوظ ہو گیا ہے۔پیش نظر رہے کہ شعرا نے عموماً قصائد انعام اور صلے کی امید اور لالچ میں کہے ہیں، اس لئے ان میں صداقت اور واقعیت پسندی کے بجائے مبالغہ اور محض خیال آرائی ہوتی ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے جانے والے قصائد میں آپ کے حقیقی خصائل وخصائص کا ذکر کیا گیا ہے۔اسی طرح آپ ﷺ کے وصال کے موقع پر جو مرثیے کہے گئے ہیں، ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا آپ سے تعلق کس نوعیت کا تھا۔آپ کی ذات سے متعلق یہ قصائد اور مراثی آپ کی سیرت کا ایک اہم ماخذ ہیں۔آپ ﷺ خود بھی فنِ شاعری کے رموز سے آگاہ تھے مگر شاعری آپ ﷺ کے منصب کے منافی تھی۔صرف چند مواقع پر آپ نے شاعرانہ اظہار کیا ہے مگر خاندانِ نبوت کے بیشتر افراد نہ صرف اس فن سے شناسائی رکھتے تھے بلکہ ان کے کہے ہوئے شعری نمونے آج تذکروں میں محفوظ ہیں۔آپ کی سیرت اور سوانح کا منظوم اظہار آپ ﷺ کے اپنے عہد مبارک میں شروع ہوا۔الغرض عربی زبان میں سیرتِ نبوی کا آغاز نثری کاوشوں کے بجائے شعری

منظومات سے ہوا ہے۔ مغازی اور سیر پر عربی نثر میں مستقل کتابیں بعد میں لکھی گئی ہیں۔

عجمی ممالک میں شاعری تفریح طبع اور ذوقِ جمال کی تسکین کا ایک ذریعہ تھی۔ عرب ممالک میں یہ ایک معتبر فن تصور کیا جاتا تھا۔ عرب معاشرے میں شعرا کو بہت بلند درجہ اور مرتبہ حاصل تھا۔ قبائلی زندگی میں کسی قبیلے کی عزت وعظمت کے سچے نقیب صرف اس کے شعرا ہوا کرتے تھے۔ وہ اپنے قبائل کے مفاخر کو بیان کرتے اس طرح وہ ان کے فضائل وخصائل کے محافظ تھے۔ حجاز کی سرزمین ایران وشام کے تمدن سے کوسوں دور ایک صحرائی ثقافت کی آئینہ دار تھی۔ یہاں کی فطرت ریتیلے میدانوں اور ٹیلوں میں موجود خال خال نخلستانوں میں موجود تھی۔ یہاں کی فضاؤں میں شبینہ چاند تاروں کی محفلیں تو آراستہ ہوتی تھیں مگر دن کی روشنی میں کوئی بادل سورج کے سامنے حجاب نہیں ڈالتا تھا اور نہ ہی صحرا کی زمین میں کوئی گل وگلزار کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔ حجاز کے پہاڑوں میں شادابی اور روئیدگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ صحراؤں میں اگر کسی جگہ اچانک چشمہ پھوٹ نکلے تو آبادی کا جواز بن جاتا ہے۔ اسی لئے حجاز کے شعرا کے ہاں منظریہ شاعری میں نہ تو بہتی ندیوں کا شور سنائی دیتا ہے اور نہ برف پوش پہاڑوں سے گرتی آبشاروں کے زمزمے۔ یہ سرزمین حسنِ فطرت کے تنوع سے محروم دکھائی دیتی ہے۔ یہاں ثقافتی اقدار وروایات میں حضرویت کے بجائے بدویت کا غلبہ ہے اور یہی بدویت انہیں تلاشِ رزق میں ایک سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہنے پر مجبور کرتی تھی۔ یہاں کی زمین کا سینہ روئیدگی سے محرومی کے باعث ان کو تجارت پیشہ بنائے ہوئے تھا اور وہ اس سلسلے میں اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہزاروں میلوں کی مسافت، حدی خوانی کرتے ہوئے طے کرتے تھے، اس سفر نے ان کی قوتِ مشاہدہ کو بہت تیز کر دیا تھا اور ان کی قوتِ فہم و ادراک عام قوموں کی نسبت فزوں تر تھی۔ قبائل جرأت وشجاعت، فیاضی ومہمان نوازی، پہلوانی اور شمشیر زنی اور شتربانی اور گھوڑسواری میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کسی قبیلے کو عزت وعظمت دلانے میں اس قبیلے کے شاعر کو بہت دخل تھا۔ اسی باعث حجاز کی قبائلی معاشرت میں شعرا ایک اعلیٰ مقام ومرتبے کے حامل تھے۔ ان کی شاعری میں قصائد اور نسب ناموں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہی صنف سخن ان کے تخیل کی سب سے بڑی جولان گاہ تھی اور اس میں ان کے کمالاتِ شعر وسخن کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فنِ شعر کی نزاکتوں کو سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ افصح العرب تھے۔ شعر کی افادیت کو سمجھتے اور اس کے بارے میں گہرا تنقیدی شعور رکھتے تھے۔ کفار مکہ کے شعرا کی جانب سے پیش کی جانے والی ہجویات کے جواب میں آپ ﷺ نے مخضرمی شعرا کو تیار کیا جن کے فن نے صداقتوں سے

معمور مضامین کے ذریعے سے مخالفین کے چھکے چھڑا دیے۔ یہی باعث ہے کہ آپ ﷺ نے کعبؓ بن زہیر (م۲۴ھ) کو ان کے قصیدہ بانت سعاد پر اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔ زہیر بن صرد الجشمیؓ کے اشعار پر پورے قبیلہ ہوازن کو معافی عطا کی۔ تحسین شعری اور شعرائے اسلام کی عزت افزائی کے اور بہت سے وقائع تذکروں میں موجود اور محفوظ ہیں۔

یہاں پر ہم ایک ناگزیر بحث پر چنداں روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ خود اسلام میں شعر و شاعری کا مقام کیا ہے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں شاعری کی موافقت یا مخالفت میں کیا آرا پائی جاتی ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں بہت سی روایات کو قلم بند کیا گیا ہے:

ان من البیان سحرا، و ان من شعر حکما (۱)

ان من الشعر حکمة (۲)

عن عائشة رضی الله عنها قالت ذکر عند رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم الشعر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هو کلام فحسنه حسن و قبیحه قبیح (۳)

عمرۃ القضا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میں داخل ہوئے تو کعبؓ بن مالک آپ ﷺ کے استقبال اور ہراول کے طور پر اشعار پڑھ رہے تھے۔ غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کرو، بے شک جبریل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں۔ ضرارؓ بن الازور جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کی اجازت سے اپنے اشعار پیش کئے۔ حضرت خنساءؓ نے جب اسلام قبول کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اشعار سنے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد نبوی میں ایک خاص منبر بچھوایا گیا جس پر بیٹھ کر انہوں نے اپنے اشعار سنائے۔ تذکروں میں ان تمام قصائد کا ذکر ہے جو شعرا نے آپ ﷺ کے حضور پیش کئے ہیں۔ اس طرح بہت سے صحابی شعرائے کرامؓ نے آپ کی موجودگی میں اپنے قصائد اور اشعار سنانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ عبداللہؓ بن الزبعری نے جب اسلام قبول کیا اور اپنے سابقہ طرزِ عمل کی معافی طلب کی تو اس موقع پر اپنے چند اشعار بھی پیش کئے، جنہیں سن کر آپ نے ایک خلعت انعام کے بطور ان کو ہدیہ کیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران میں صحابہ کرامؓ رجز یہ اشعار پڑھتے تھے، آپ نے بھی یہ شعر پڑھ کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی

اللھم لا خیر الا خیر الاخرة

فاغفر الانصار والمھاجرة

سیرت نبی کے تذکار میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے خود کوئی شعر پڑھا، دوسرے شاعروں کے کلام کی اصلاح فرمائی، قصائد کو سنا اوران کے اچھے اشعار پر تحسین کی۔ کچھ شعرا کو مشرکین کی ہجویات کے مقابل شاعری سے جواب دینے کی اجازت دی اوران کے لئے برکت کی دعا کی۔ شاعروں کی قدر افزائی اور تحسین شعری کے ایسے بہت سے اور واقعات بھی ہیں جن کو احوالِ سیرت مرتب کرتے ہوئے، لکھا گیا ہے۔ انہی وقائع میں بعض وہ آراء بھی ملتی ہیں، جن میں آپ ﷺ نے قرآن مجید کی آیات کے حوالے سے شاعری اور شاعروں پر تبصرہ کیا ہے۔ ایسی چند آیات درج ذیل ہیں:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ O اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ط وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ O (۴)

رہے شعرا تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔ اور ظلم کرنے والوں کو عن قریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ O وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (۵)

یہ ایک رسول کریم کا قول ہے، کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ O (۶)

ہم نے اس نبی کو شعر نہیں سکھایا ہے اور نہ شاعری اس کو زیب ہی دیتی ہے یہ تو ایک نصیحت ہے اور صاف پڑھی جانے والی کتاب۔

قرآن مجید کی ان آیات مذکور کے علاوہ ذخیرۂ احادیث میں بھی ایسی روایات موجود ہیں، جن میں شعر و شاعری کی حیثیت پر نقد کیا گیا ہے۔ ایسی تمام قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کا استقصا کیا جائے تو اصل حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ لوگ قرآن مجید کو کہیں محض اس کے الہامی آہنگ کے باعث اعلیٰ شاعری کی کتاب ہی تصور نہ کرلیں۔ یا پیغمبر کو بھی صفِ شعرا میں کھڑا نہ کردیں۔ قرآنی آیات میں جس امر پر توجہ دلائی گئی ہے وہ قوتِ اظہار اور طاقتِ بیان کو اعلیٰ اخلاقی مقاصد سے ہم آہنگ رکھنے کی ہے۔ شاعری فی نفسہٖ لائق مذمت نہیں، اگر قافیہ، ردیف، تراکیب اور بحور کے اس پیرائے میں اعلیٰ اخلاقی، ایمانی، روحانی

اور جہادی جذبات کو پیش کیا جائے تو یہ اسی مقام تحسین پر کھڑی دکھائی دے گی، جہاں پیغمبر علیہ السلام نے شعراء کو خود سنا، انہیں داد دی، ان کے کلام کی اصلاح کی، ان کے کلام پر مخصوص جملوں میں تحسین یا تنقیص کی اور گاہے گاہے انہیں انعامات اور ہدایا سے بھی نوازا۔ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں سورہ الشعراء کی مذکورہ تینوں آیات کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے پر حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ غمگین حالت میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توجہ الا الـذین ...... کے حصے پر مبذول کرائی، جس سے ان حضرات کو اطمینان ہوا، اور اسی استثنائی صورتِ حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا کلام کہتے رہے۔ یوں شاعری محض نفسانی، جذباتی، رومانی اور تخیلاتی افکار و احساسات کو پیش کرنے کے بجائے ایمانی حلاوت، جہادی رزمیوں، اخلاقی تعلیمات، روحانی اقدار اور پاکیزہ افکار کے مترنم اظہار کا ذریعہ بن گئی۔ یہ ایسی ہی تبدیلی کا مظہر ہے کہ حضرت کعب بن زہیرؓ نے جب آپ ﷺ کے سامنے اپنے قصیدے میں سیوف الہند کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اس مصرع میں اس ترکیب کو سیوف اللہ سے تبدیل کر دیا۔ کچھ ایسی ہی تبدیلیوں سے شاعری کا مذموم رخ محمود و مطلوب صراط مستقیم کی طرف مڑ جاتا ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں شعرائے اسلام نے شعر کی قوت سے کیا مثبت اور مفید کام لئے ہیں، اس کا اندازہ عجم کے صرف دو شاعروں رومی و اقبال کے کلام سے کیا جا سکتا ہے۔ شعر و ادب کے مسلم نقادوں نے شاعری کے جواز و عدم جواز پر جو ابحاث پیش کی ہیں، ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اعلیٰ اخلاقی مقاصد کے لئے کی جانے والی شاعری نے مسلم معاشرے کی تعمیر و تطہیر میں ایک بنیادی کردار انجام دیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا اوّلین اور مستقل اظہار خود قرآن مجید میں ہوا ہے۔ ورفعنا لک ذکرک کی رفعتوں اور عظمتوں کا تذکارِ جمیل جس اسلوب میں قرآن مجید کی آیات بینات میں ہوا ہے، اس کی تفصیل سیکڑوں آیاتِ مقدسہ میں پیش کی گئی ہے مگر ہم یہاں اس سلسلے کی چند نمائندہ آیات کو درج کریں گے، تا کہ ان کے حوالے سے المدائح النبویۃ کے اس طویل تذکارِ جلیل کا اندازہ لگایا جا سکے جو نظم و نثر ہر دو کی صورت میں تاریخ عالم کے ہر عہد میں وجہِ افتخار تصور کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO (۷)

اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ (۸)

اے نبی (ﷺ)! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا○ (۹)

درحقیقت تم لوگوں کے لیے، اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ○ (۱۰)

اور بے شک آپ (ﷺ) اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا○ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا○ (۱۱)

اے نبی (ﷺ)! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے، اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○ (۱۲)

تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق و رحیم ہے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○ (۱۳)

نہیں اے محمد (ﷺ)! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ

تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلاً O (۱۴)

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (۱۵)

اے نبی (ﷺ)، ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۱۶)

جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے، اس سے رک جاؤ۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۱۷)

بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے، ان کی اپنی ذات پر بھی مقدم ہے۔

قرآن مجید کی ان آیاتِ مقدسہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور شخصیت کی عظمت، شوکت، فضیلت، سبقت، اہمیت، حیثیت، مدحت، خصلت، محبت، اطاعت، شفقت، رحمت اور منقبت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ اپنی محبت و اطاعت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ (۱۸)

اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (۱۹)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (۲۰)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی

ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

کتاب وسنت کی یہی وہ روشن تعلیمات ہیں، جن کے باعث صحابہؓ کو آپ ﷺ کی ذات اور دعوت سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی۔ اپنے رب، کی خوش نودی اور رضا اور اپنے محبوب از جاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع سے وہ سرشار تھے۔ سیرتِ نبوی اور اسوۂ صحابہؓ میں وہ سیکڑوں مواقع اور واقعات درج ہیں جو آپ ﷺ کی ذات سے والہانہ شیفتگی اور آپ کے پیغام کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے رکھنے کا ذوق وشوق ظاہر کرتے ہیں۔ تاریخ عالم میں کسی مذہبی، دینی اور روحانی شخصیت کے ساتھ حسنِ عقیدت اور جاں نثاری کی ایسی مثال نہیں ملتی جو ہمیں حجاز کے اس تابندہ درخشندہ ماہتاب وآفتاب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے دکھائی دیتی ہے۔ اس بیان کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ آپ ﷺ کے حضور جو مدحیہ قصائد اور نعت کا ان گنت اور انمول سرمایہ پیش کیا گیا ہے، وہ بلا مبالغہ لاکھوں اشعار پر مشتمل ہے، اس خزینۂ عقیدت میں سیکڑوں وہ منظومات بھی شامل ہیں جو غیر مسلم شعرا نے آپ ﷺ کے حضور پیش کی ہیں۔ ایسے شعرا میں پنڈت بالمکند عرش ملیسانی، لالہ امر چند قیس، فراق گورکھپوری، جگن ناتھ آزاد، دلو رام کوثری، شیو پرشاد وھبی لکھنوی، راجندر بہادر موج، سکھ دیو پرشاد بسمل، سرکشن پرشاد شاد، ٹھاکر بوا سنگھ اثیم، وشنو کمار شوق لکھنوی، جسٹس رانا بھگوان داس بھگوان، کچھمی نرائن شفیق، راج مکھن لال مکھن، بالا پرشاد ربط، منشی شنکر لال ساقی، ہری چند اختر، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ساقی سہارن پوری، منور لکھنوی، شمیم فرخ آبادی، چمن لال چمن، تلوک چند محروم، مخمور جالندھری، موج فتح گڑھی، شیداد ہلوی، نشتر لکھنوی، کبیر داس بنارسی، آزاد سہارن پوری اور بعض غیر مسلم شاعرات مثلاً، شریمتی بوادتی اور رام پیاری لکھنوی جیسے نام شامل ہیں۔ یہ تذکرہ صرف برصغیر پاک وہند کے غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام سے متعلق ہے وگرنہ دوسری زبانوں اور دوسرے ملکوں کے بیسیوں ایسے غیر مسلم شعرا بھی ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

انبیاء ورسل علیہم السلام کی تاریخ میں یہ اعجاز صرف آپ ﷺ کی سیرت کے ساتھ وابستہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب کے پیغمبروں اور رہنماؤں کی سوانح پر بھی اوہام و طلسمات کے ردے چڑھے ہوئے ہیں اور ان کی تعلیمات بھی بہت حد تک تحریف کا شکار ہو چکی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہر نوع کے اضافوں سے پاک ہے۔ جس طرح احادیث میں روایت ودرایت اور اسماء الرجال کے علوم وفنون کے باعث آپ ﷺ کے قول، فعل، عمل یا تقریر میں کسی نوع کی آمیزش ممکن نہیں، اسی طرح راویانِ سیرت نے بھی درایت سیرت کے منہج کے تحت سوانح وسیرتِ

مصطفیٰ کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رکھا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من کذب علی متعمدا، فلیتبوا مقعده من النار (۲۱)

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

مدحتِ نبوی اور نعتِ رسول فنی اعتبار سے ایک نازک مقام ہے۔ اس کی نزاکت کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو عبدیت، الوہیت میں بدل جاتی ہے۔ مضمون کا انتخاب، لفظوں کی موزونیت، لب و لہجے کی پاکیزگی، ادب واحترام کی فضا، عبد و معبود میں رشتے کا تعیّن، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا ادراک، رحمت وشفاعت کی حدود، توسل، استغاثے اور استمداد کی شرعی نوعیت، غلو آمیز ضلالت اور عجز آمیز اہانت کا احساس، حفظِ مراتب کا خیال، منصبِ نبوت کا تقدس، ادب واحترام کے تقاضے، مضامین کی پاکیزگی اور اندازِ بیان کی نفاست ولطافت، یہ سب تقاضے مل کر نعت گوئی اور مدحت نگاری کو شاعر کے لئے پلِ صراط بنا دیتے ہیں۔ اسی باعث شعرا نے اس ادب اور احتیاط کی حدود اور تقاضوں کو یوں بیان کیا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است وصحراست
ہشیار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

ادب گاہیت زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

عظمتِ نبوی کا ادراک اور بشریتِ مصطفوی کا عرفان ایک نازک مرحلہ ہے۔ شعورِ نبوت کا تقاضا ہے کہ ہم آپ کو خیر البشر تصور کریں، فوق البشر نہ سمجھیں۔ جمالِ بشریت کے ساتھ کمالِ نبوت کا آہنگ آپ ﷺ کو احسن البشر اور افضل البشر ٹھہراتا ہے۔ جہاں ممدوح نبوّت کا شاہ کار ہو تو اس کے فضائل، خصائل اور شمائل کا کمال، جلال اور جمال اک عجب منصب و مقام پر فائز اور سرفراز ہوتا ہے۔ خالقِ کائنات اپنی مخلوق کے سب سے عظیم انسان کے ادب واحترام کو یوں بیان فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۲۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ

سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

ایک طرف قرآن مجید نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا یہ معیار پیش کرتا ہے، دوسری جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ان الفاظ میں تنبیہہ اور تاکید کرتے ہیں:

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم فانما انا عبده ولكن قولوا عبدالله و رسوله (۲۳)

مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰؑ ابن مریم کے ساتھ کیا ہے۔ بے شک میں تو صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی مسدس مدّ و جزر اسلام کے ایک بند میں اس موضوع پر مسلمانوں کے طرزِ عمل کو یوں بیان کیا ہے:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (م ۱۳۴۰ھ) فنِ نعت کی اس نزاکت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔ (۲۴)

با خدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہوشیار باش

مختلف زبانوں میں نعتیہ اور مدحیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو ایک عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ

اس راہ میں صوفیانہ مسلک سے تعلق رکھنے والے حضرات زیادہ کامیاب رہے ہیں جب کہ فحول شعرا مدائح النبوی کی طرف بہت کم متوجہ ہوئے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مدائح رسول اور نعتِ نبوی میں تجاوز عن الحد کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی تعریف کا ایسا انداز اپنایا جائے کہ جس سے کسی دوسرے نبی یا رسول کی تنقیص نہ ہو۔ مضامینِ سیرت اور موضوعاتِ مدحت تاریخی صداقتوں کے حامل اور ان کی پیش کش کا اسلوب مبالغے سے دور اور فطرت کے قریب ہونا چاہیے۔

بعض ناقدانِ فن نے اس موضوع پر بھی کلام کیا ہے کہ جب نثر میں سیرت و سوانح کی متانت کو برقرار رکھا جا سکتا ہے تو پھر اس کے لئے شعر کا وسیلہ اختیار کرنا کیوں ضروری ہے اور یوں منظوم سیرت سے کیا مقاصد درپیش ہیں۔ ہمارے نزدیک شعری اسلوب میں ایک وجدانی کیف موجود ہوتا ہے۔ مترنم مصرعوں میں کسی محبوبِ جہاں ﷺ کا جمالِ دلآرا دلوں کی دھڑکنوں میں سما جاتا ہے اور ہماری روح کے تار چھیڑ دیتا ہے، جس سے دل و دماغ میں وہ کیف و سرور پیدا ہوتے ہیں، جو اس محبوب کی ذات سے محبت وعقیدت کا ایک لافانی جذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ شعر سے دل اور دماغ دونوں میں ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو تخیّل کو مہمیز لگاتا ہے اور جذبوں کو جنوں میں بدل دیتا ہے۔ اسوۂ صحابہ میں ہم جو فدا کاری اور جاں سپاری کا عمل دیکھتے ہیں اور ان کی سیرتوں میں جس رعنائی کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ سب اس خاطر ہے کہ ان کا محبوب ﷺ ان کے روبرو موجود تھا۔ اس محبوبِ جہاں ﷺ کے وصال پر ان کی حالت کیا تھی، اس کا اندازہ ان مرثیوں میں دیکھئے جو آپ کے فراق میں کہے گئے ہیں۔

شعر بچوں اور نوجوانوں کے جذبات کی تعمیر میں ایک اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بہت جلد ان کے حافظے اور استحضار کا خزانہ بن جاتے ہیں۔ اس سے ان کی شخصی اور ذہنی تعمیر میں بہت پختگی پیدا ہوتی ہے۔ بشرطیکہ شعر صداقت کا حامل ہو اور اس کا انداز زبان و بیان کا شاہ کار ہو۔ یہی باعث ہے کہ دنیا بھر میں بچوں کی ابتدائی تعلیم میں ننھی منی نظموں اور گیتوں کا التزام کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ کسی بھی دعوت اور پیغام کی دل نشینی کے لئے نثر سے زیادہ نظم کارگر ہوتی ہے۔ تمام مذاہب کی ابتدائی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں اس میں رزمیہ کا عنصر بالیقین موجود ہوگا۔ یہی رزمیہ تاریخ کے ہر دور میں انسانی جذبات کی تشکیل اور تطہیر میں ایک مؤثر عامل کی حیثیت سے موجود رہا ہے۔ اس دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں شخصیات جلوہ گر ہوئیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہے جس نے انسانیت کو اپنے اور مابعد کے زمانوں میں سب سے بڑھ کر متاثر کیا ہے۔ ایسی شخصیت خود تو ایک بڑے رزمیہ کا موضوع یقیناً ہوگی مگر اس کے متعلقین بھی ایک عظیم رزمیے کے عناصر اور لوازم دکھائی دیتے

ہیں۔ یہ تاریخی، جمالیاتی اور ادبی استدلال سیرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نثر کے علاوہ نظم میں پیش کرنے کا استشہاد پیش کرتا ہے اور یہ جو ہر مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ قائدِ مہاجرین کا استقبال بنونجار کی بیٹیوں کے گیت ہی سے ہوسکتا تھا۔

قرآن مجید و رفعنا لك ذكرك کی تفسیر و تشریح ہے۔ اس کی ہزاروں آیات میں کہیں آپ ﷺ کو اسمِ ذات سے مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ ہر جگہ صفاتی اسما کی کہکشاں جھلمل کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ذرا ان ناموں پر توجہ کیجئے:

شاهد، مشهود، مبشر، بشير، نذير، منذر، سراج منير، داعي الى الله، هادى، نذير، مبين، عبده، عبدنا، حريص عليكم، رؤف و رحيم، رحمة للعالمين، خاتم النبيين، مذكر، رسول الله، المزمل، المدثر، برهان، رسولنا، النبى، النبى الامى، الداعى، الصاحب، المعلم، المزكى، التالى.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ نے آپ کو کن کن اسما کے ساتھ یاد کیا ہے، اس کا تذکارِ جمیل احادیث کی کتب میں ملتا ہے، اس آئینہ حدیث کی ان تنویرات کو دیکھئے:

محمد، احمد، الماحى، العاقب، الحاشر، المقفى، نبى التوبة، نبى الملحمه، سيّد العالمين، الصادق المصدوق، ابو القاسم، حبيب الله، النبى المصطفىٰ، رسول رب العالمين، نبى الرحمة، حامل لواء الحمد

محبانِ رسالت اور مشتاقانِ مصطفیٰ نے ان ناموں کو صفاتی لحاظ سے اس قدر بڑھایا ہے کہ ''المواہب اللدنیۃ'' میں چار سو اسمائے گرامی محفوظ کئے گئے ہیں۔ صوفی برکت علی لدھیانوی مرحوم نے ''اسماء النبیؐ'' کے زیرِ عنوان ۱۴۳۸ ناموں کو جمع کیا اور ان حوالوں کی تخریج بھی کی ہے۔ بعض شعرائے کرام نے ان کو منظوم بھی کیا ہے۔ اردو زبان کے صاحبِ دل سیرت نگار قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے ''رحمۃ للعالمین'' کی تیسری جلد میں ''اسماء الرسول'' کے عنوان سے جو باب لکھا ہے، اس میں آپ ﷺ کے اسمائے مبارک کے خصائص لائقِ مطالعہ ہیں۔

عربوں کے ذوقِ مدیح نے فنی لطافتوں اور عربی زبان کی لسانی وسعتوں کے ذریعے سے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح و سیرت کو موضوع بنایا تو اس میں علاقائی کی نسبت ایک آفاقی قدر و قیمت پیدا ہوگئی۔ آج دنیا کی بیسیوں زبانوں اور سیکڑوں بولیوں میں یہ مدحیہ ادب موجود ہے اور شعر و ادب اور اصنافِ سخن کے سارے پیرائے اس کے لئے استعمال ہورہے ہیں۔ اس آفاقی مدحیہ ادب کا

مطالعہ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عربوں کے لسانی شعور، ان کی زبان کی فصاحت و بلاغت، اسلوب کی جدت، تراکیب کی جدّت، تخیل کی لالہ کاری، بیان کی فسوں کاری، تخلیقی جودت، صنائع بدائع کا موزوں استعمال اور عروض و بحور کی شناسائی نے شعر وسخن کا ایک ایسا معیار قائم کر دیا کہ بعد میں آنے والے شعرا نے اس کا کامل تتبع کیا ہے۔ ان کے قصائد کی تضمین کی۔ مغازی اور شمائل کی کتب کے منظوم تراجم کیے۔ بعض کتب کی منظوم شروحات لکھیں اور اس ضمن میں قصیدہ بردہ کی شروحات تو حیرت انگیز اور جامع تفصیلات رکھتی ہیں۔ عرب جس آغوشِ فطرت میں تربیت پاتے تھے، اس کے باعث ان کو دوراز کار تشبیہات کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے ہاں استعارے بھی بہت بلیغ اور بہت جلد مستعارلہ، تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ عربوں کی انہی خصوصیات نے حضور گرامی ﷺ کی ذات کی مدحت میں ان کی شخصیت کو دیومالائی یا طلسماتی بنانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ عقیدت میں عقائد کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے قصائد کو پڑھتے ہوئے ہمیں کسی تصوراتی یا تخیلاتی شخصیت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور نہ اس کے لئے کسی موزوں مبالغے کو اغراق اور غلو تک لے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ وہ شعرائے نبوت ادبی اور شعری روایات کے شناسا اور عقیدت وارادت کی حدود سے آگاہ تھے۔ وہ آپ ﷺ کے ذاتی اوصاف اور خصائل بیان کرتے ہیں تو آپ ﷺ کی شخصیت حدودِ بشریت سے باہر نکلتی دکھائی نہیں دیتی۔ برصغیر میں البتہ عربوں کے اس شعری مزاج کا تتبع نہیں کیا جاسکا، جس کے نتیجے میں گاہے گاہے اور کہیں کہیں عبدیت، الوہیت کا قالب اختیار کر لیتی ہے اور یہ کسی طور مستحسن نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح، شخصیت اور سیرت کا اوّلین اظہار شعر کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت وسوانح کا اوّلین نثری نقش ''مغازی'' کی صورت میں موجود ہے جسے حضرت عروہؓ بن زبیرؓ بن عوّام (م ۹۴ھ) نے لکھا ہے۔ اس کے بعد ہزاروں کتابیں عربی زبان میں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی سیکڑوں مخطوطاتِ سیرت ایسے بھی ہیں، جن کو تدوین کے بعد شائع ہونا چاہئے۔ ان تمام کتبِ سیرت کے مراجع اور مصادر پر نگاہ ڈالی جائے تو ذیل کے علوم وفنون سے استفادے کا رجحان ملتا ہے:

☆ قرآن مجید ☆ کتبِ احادیث ☆ دستاویزاتِ سیرت (معاہدات، خطبات، مکاتیب، امان نامے، ہبہ نامے، مردم شماریاں، سرکاری ہدایات اور مراسلے، روایاتِ حدیث کے صحیفے اور مجموعے) ☆ کتبِ سیرو مغازی ☆ کتبِ تاریخ ☆ کتبِ تفاسیر ☆ کتبِ شمائل نبوی ☆ کتبِ دلائلِ نبوی ☆ کتبِ خصائصِ نبوی ☆ کتبِ آثار واخبار ☆ کتبِ انساب ☆ کتبِ جغرافیۂ عرب ☆ کتبِ ثقافت عرب ☆ کتبِ تاریخ الحرمین الشریفین ☆ کتبِ اسماء الرجال ☆ عربی ادبیات ☆ اطلس سیرت، خرائطِ سیرت

اور اماکنِ سیرت ☆ حرمین کے سفرنامے ☆ کتبِ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان مراجع و مصادر کے حوالے سے پہلی صدی ہجری کے نصف آخر سے تیسری صدی ہجری کے اختتام تک مدینہ منورہ میں ستائیس، کوفہ میں نو، بصرہ میں چھ، واسط میں گیارہ، رے مرو، بیہق، نیساپور اور حران میں آٹھ، یمن اور صنعا میں تین، شام اور دمشق میں تین، نیز مصر اور اندلس میں دو حضرات نے مغازی و سِیَرَ پر کتابیں لکھی ہیں۔ انہی ابتدائی تین صدیوں میں خالص سیر پر عربی میں چودہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب کتبِ سیر و مغازی کی تفصیل قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی تصنیف ''تدوینِ سیر و مغازی'' میں فراہم کی ہے جس کا ایک تفصیلی مقدمہ راقم الحروف نے تحریر کیا ہے۔ نثر میں لکھی جانے والی عربی کتبِ سیرت کا تفصیلی تعارف یا تذکرہ یہاں مقصود نہیں۔ البتہ ان میں عروہ بن زبیرؓ، ابان بن عثمان، محمد بن شہاب زہری، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم انصاری، ابوالاسود یتیم عروہ، محمد بن سعد، عاصم بن عمرو بن قتادہ، شرحبیل بن سعد، یعقوب بن عتبہ، مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحٰق، ابومعشر نجیح سندھی مدنی، محمد بن عمر واقدی، ہشام بن عروہ، عبداللہ بن جعفر مخزومی، ابراہیم بن منذر حزامی، عبدالملک بن ہشام، محمد بن یحییٰ مروزی، محمد بن شجاع ثلجی، علی بن مجاہد کابلی، محمد بن سلمہ باہلی، فضل بن محمد شعرانی، وہب بن منبہ صنعانی، معمر بن راشد ازدی، عبدالرزاق بن ہمام، محمد بن عائذ قرشی، محمد بن حسن شیبانی، محمد بن سخنون تنوخی، احمد بن کامل بغدادی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ بعد کی صدیوں میں عبدالرحمٰن السہیلی، حافظ عبدالرحمٰن الدمیاطی، ابن سیدالناس، ابن قیم، علاء الدین المغلطائی، حافظ اسمٰعیل بن عمر ابن کثیر، ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی، شمس الدین الشامی، السید احمد زینی الدحلان، محمد بن عیسیٰ الترمذی، القاضی ابوالفضل عیاض الاندلسی، جلال الدین السیوطی، شیخ شہاب الدین القسطلانی، محمد بن عبدالباقی الزرقانی، یوسف بن اسمٰعیل النبہانی، ابن جریر الطبری اور ابن خلدون ابتدائی صدیوں کے معروف سیرت نگار ہیں۔ عربی زبان کے ہزاروں سیرت نگاروں کے نام اور ان کی تصانیف کا ذکر کیا جائے تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ بیسویں صدی کے منتخب اور اہم عربی سیرت نگاروں میں دکتور اکرم ضیاء عمری، دکتور مہدی رزق اللہ احمد، محمد ابراہیم شقر، محمد ناصر الدین البانی، محمد سعید رمضان البوطی، منیر محمد غضبان، محمد حسین ہیکل، محمد الغزالی، الدکتور السید الجمیلی، محمد احمد جادالمولیٰ، الدکتور عبدالحلیم محمود، الدکتور محمد لقمان السلفی، السیّد صفی الرحمٰن مبارک پوری، محمود شلبی، سیّد محمد علوی، الدکتورہ عائشہ عبدالرحمٰن، ابوبکر الجزائری، محمد رشید رضا، محمد حمید اللہ حیدر آبادی، عبدالحئی کتانی، دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی، عباس محمود عقاد، محمد الصویانی، عبدالسلام علوش، الدکتور مصطفیٰ السباعی، محمود شیت خطاب، علی محمد محمد الصلابی، مصطفیٰ طلاس اور حسین عبداللہ باسلامہ زیادہ معروف ہیں۔ عربی کتبِ سیرت کی ایک اہم

فہرست الدکتور صلاح الدین المنجد نے ''معجم ما الّف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے ۱۹۸۲ء میں مرتب کی۔ اس کے بعد گزشتہ ربع صدی میں سیکڑوں اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

سیرتِ نبوی اور مدحت مصطفوی کا عربی زبان میں منظوم اظہار خود عہد نبوی میں ہو چکا تھا۔ بعض حضرات نے تو آپ کی ولادت سے قبل کی مدحیہ شاعری کا بھی سراغ لگایا ہے۔ قدیم صحف سماوی میں آپ کی آمد اور بعثت کے حوالے سے بہت سی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ آپ ﷺ کے جد امجد کعب بن لوئی سے منسوب ایک قصیدے کا ذکر ملتا ہے کہ جس میں آپ کی آمد کا تذکار موجود ہے۔ یمن اور حضر موت کے بادشاہ ابا کرب (تبع ثانی) نے بھی آپ کی شان میں شعر کہے ہیں۔ قس بن ساعدہ نے عکاظ کے ثقافتی میلے میں آپ ﷺ کی شان میں اشعار پڑھے ہیں۔ خاندانِ نبوت کے شعرا اور شاعرات کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔ دربارِ رسالت کے شعرائے کرامؓ اور مخضرمی شاعروں کی تفصیل بھی درج ہو چکی ہے۔ الدکتور صلاح الدین المنجد نے **معجم ما اُلِفَ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدح الرسول** کے عنوان کے تحت (ص ۳۱۲۔۳۴۲) ۲۹۰ مدحیہ کتب اور مجموعوں کا ذکر کیا ہے جس میں ایک معتد بہ حصہ قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کی شروحات اور تضمینات پر مشتمل ہے۔ اس موقع پر ہم منظوماتِ سیرت اور المدائح النبوی کی سعادت حاصل کرنے والے صرف منتخب شعرائے کرام کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں۔ ان سب کا تذکرہ اور ان کے کلام کا نمونہ درج کیا جائے تو اس کے لئے کئی دفتر درکار ہوں گے۔

علامہ بوصیری (۶۰۸ھ۔۶۹۷ھ) کا قصیدہ بردہ ۱۸۲ ابیات پر مشتمل ہے۔ الصرصری (م ۶۵۶ھ)، ابن جبیر الاندلسی (م ۶۱۴ھ) الوتری (م ۶۶۲ھ)، ابوالیمن بن عساکر (م ۶۸۶ھ) الشاب الظریف (م ۶۸۸ھ)، التلمسانی (م ۶۹۰ھ)، ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) الشھاب محمود (م ۷۲۵ھ)، ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) الصفی الحلی (م ۷۴۹ھ)، ابن العطار المغربی (م ۷۰۷ھ)، ابن العریف (م ۵۳۶ھ)، شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ)، ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) نے **''جلاء الافھام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام''** کے نام سے درود و سلام لکھے ہیں۔ عربی زبان میں ایک ایسا قصیدہ بھی لکھا گیا ہے، جس کے بارے میں معروف ہے کہ اسے جنات نے لکھا ہے۔

عربی زبان میں منظوم مولود ناموں، قصائد اور مستقل کتبِ سیر و مغازی بہ کثرت ملتی ہیں۔ ہم مختلف تذکروں سے جمع کردہ منتخب معلومات درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ علی بن فضال بن علی المجاشی (م ۴۷۹ھ) نے سیرت ابن ہشام کا منظومہ لکھا ہے۔ ابن حجر عسقلانی کے استاد حافظ زین الدین

عبدالرحیم بن حسین العراقی (م ۸۰۶ھ) نے ایک ہزار اشعار پر مشتمل "الفیة السیرة النبویة" ترتیب دیا جو حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج (م ۷۶۲ھ) کی سیرۃ المصطفیٰ کا منظومہ ہے۔ محمد بن ابراہیم المعروف بہ فتح الدین بن الشہید (م ۷۹۳ھ) نے دس ہزار اشعار پر مشتمل عربی میں سیرت کی منظوم کتاب لکھی ہے۔ الشمس الباعونی الدمشقی (م ۸۷۱ھ) نے بھی مغلطائی کی سیرت کا ایک ہزار ابیات میں "متحة اللبیب فی سیرة الحبیب" کے نام سے منظومہ لکھا ہے۔ الفتح بن سمار (م ۶۳۳ھ)، الشہاب بن العماد الافقھی (م ۸۰۸ھ)، ابراہیم بن عمر البقاعی (م ۸۸۵ھ)، عبدالعزیز بن احمد (م ۶۹۲ھ) نے بھی عربی میں سیرت کی منظوم کتابیں لکھی ہیں۔ دور حاضر میں احمد محرم مصری (م ۱۹۴۵ء) نے "ملحمة الشعریة"" محمد ابراهیم جدع (پ ۱۳۳۰ھ) نے "الالیاذه الاسلامیه الجدیده" کے عنوان سے اور محمود سامی البارودی (م ۱۳۲۲ھ) نے بھی منظوم عربی سیرتیں لکھی ہیں۔

مدحتِ رسول، معجزاتِ رسول اور آپ ﷺ کی ذات سے نسبت رکھنے والے مقامات واماکن پر بھی منظوم اظہار کیا گیا ہے۔ عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) نے نفحته القبول فی مدح الرسول ﷺ محمد کبریت الحسینی المدنی نے الجواهر الثمینة فی محاسن المدنیة محمد بن جابر الہواری الاندلسی (۶۹۸۔۷۸۰ھ) نے دیوان المدیح النبوی ﷺ، نفائس المنح و عرائس المدح یوسف بن اسمٰعیل النبہانی (م ۱۳۵۰ھ) کا چار جلدوں میں المجموعة النبهانیه فی مدائح النبویة، السابقات الجیاد فی مدح سید العباد، القول الحق فی مدائح سید الخلق، الهمزیه فی مدح خیر البریه، اور سعادة المعاد فی موازنة بانت سعاد ڈاکٹر محمود سالم نے المدائح النبویة علامہ محمد بن الحاج حسن الالانی الکردی نے رفع الخفا شرح ذات الشفا الدکتور محمد بن علی الہرنی نے مدائح الرسول ﷺ و مراثیه فی عصره دکتور حسین مجیب المصری نے غزوات الرسول بین الشعراء و شعوب الاسلامیه عبدالکریم بن ضرغام الطرابلسی (القرن التاسع) نے ابکار الافکار فی مدح النبی المختار ابن فہد الحلبی (م ۷۲۵ھ) نے أسنی المنائح فی أسنی المدائح اوراهنی المنائح فی أسنی المدائح ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) نے بشری اللبیب بذکری الحبیب لأبی مدین شعیب الحسن المغربی (م ۵۹۴ھ) نے بهجة الانوار فی مدح النبی المختار عبدالحمید قدس بن محمد علی بن الخطیب نے فی مدح الحبیب الشفیع ﷺ اور ابن العطار الدنیسری نے م ۷۹۴ھ فرائد الاعصار فی مدح النبی ﷺ المختار اور الموشحات النبویة جیسی اعلیٰ پائے کی منظومات لکھی ہیں۔

برعظیم پاک و ہند میں اسلام کی روشنی عہد فاروقی میں مکران (موجودہ بلوچستان) تک پہنچ چکی تھی۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم نے بھی دیبل سے ملتان تک اپنی ریاست قائم کرلی۔ یہاں مسلمانوں نے ایک تاریخی رواداری کا اظہار کیا جس کے نتیجے میں آئندہ ایک ہزار برس تک مسلمان مستقل اقلیت ہونے کے باوجود اقتدار میں رہے۔ اس دوران میں ان کے بہت سے علمی کارنامے ظہور میں آئے اور جگہ جگہ متعدد درس گاہیں قائم ہوگئیں۔ ان متنوع علوم اور متعدد فنون میں ایک حدیث اور سیرت کے موضوعات کی نشوونما بھی تھی جس میں برصغیر ابتدا میں بہت ممتاز دکھائی دیتا ہے مگر بعد میں کئی صدیوں تک سیرت میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہ پا سکا۔ مگر دسویں صدی ہجری کے بعد بالعموم اور تیرھویں صدی ہجری کے بعد بالخصوص سیرت نگاری میں بہت نمایاں کام ہوا۔ سیرت پر سب سے زیادہ علمی کام تو عربی ہی میں ہوا، اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا مگر اس کے بعد اردو زبان کا ذخیرۂ سیرت بقیہ تمام زبانوں میں سب سے ممتاز ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں برصغیر میں سیرت نگاری کے جو درخشاں نقوش سامنے آئے، وہ اس پورے دورانیے میں عرب میں بھی دکھائی نہیں دیتے۔ خود اردو زبان کا تصنیفی سفر آٹھویں صدی ہجری میں شروع ہوتا ہے۔ برصغیر میں عربی زبان میں سیرت کی پہلی کتاب ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی (م ۱۷۰ھ) نے مغازی کے عنوان سے لکھی جس کا تذکرہ ابن الندیم کی ''الفہرست'' میں موجود ہے۔ ہماری سرزمین میں فارسی نثر کی پہلی کتاب شیخ علی ہجویری (م ۱۰۹۲ء) نے ''کشف المحجوب'' کے نام سے لکھی۔ برصغیر میں اردو زبان کی پہلی تصنیف کے بارے میں بہت سے محققین نے اپنے دعاوی پیش کئے ہیں۔ حامد حسن قادری نے ''داستانِ تاریخ اردو'' میں خواجہ سید شرف الدین جہانگیر سمنانی کے ایک تصوف کے رسالے کو جو ۸۰۷ھ/ ۱۳۰۸ء میں لکھا گیا۔ اردو میں سب سے پہلی تصنیفِ نثر قرار دیا ہے۔ اسی طرح اردو کی جو کتاب نثر میں سب سے پہلے شائع ہوئی، وہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) کی ''معراج العاشقین'' ہے۔ ویسے شیخ گنج العلم (م ۷۹۵ھ) کے رسائلِ تصوف کو جنوبی ہند یا دکن کی سب سے پہلی اردو تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ شمالی ہند میں فضل علی فضلی کی دہ مجلس یا کربل کتھا پہلی نثری تصنیف ہے، جسے ۱۷۳۱ء میں لکھا گیا۔

برصغیر میں سیرت نگاری کا سفر عربی میں شروع ہوا، پھر فارسی میں کتب لکھی جاتی رہیں۔ اردو زبان میں سیرت کی ابتدائی کاوشیں نثر کے بجائے نظم میں ملتی ہیں۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنی (م ۹۷۳ھ/ ۱۵۶۵ء) کے مجموعۂ کلام میں ایک نظم ''معراج نبوی'' کے موضوع پر ملتی ہے۔ ان کے دیوان ''جواہر اسرار اللہ'' میں میلاد کے موضوع پر بھی ایک نظم موجود ہے۔ فارسی میں سیرت کے اولین منظوم مجموعوں میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے استاد شیخ یعقوب بن حسن صرفی (م ۱۰۰۳ھ) کا منظوم مجموعۂ کلام ''مغازی النبوۃ'' کے نام

سے ملتا ہے۔ اسی طرح سیرت میں پہلی غیر منقوط نثری کتاب مسجد وزیر خان کے امام محمد صدیق لاہوری (م۱۱۹۳ھ) نے ''سلك الدرر لا كمل الرسل الا طهر کے نام سے لکھی ہے جو فیضی کی ''سواطع الالہام'' اور ''مواردالکلم'' سے بہتر ہے۔ بہر طور یہ بات محقق ہے کہ اردو زبان میں منظوم سیرت کو نثری کتب پر ایک تقدم اور سبقت حاصل ہے۔ اردو نثر میں سیرت، اردو نظم کی نسبت دوسو سال بعد دکھائی دیتی ہے۔

اردو نثر میں سیرت نگاری کے ارتقا پر ڈاکٹر انور محمود خالد نے سب سے نمایاں اور جان دار تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کا تحقیقی مقالہ ''اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' جہاں اردو میں سیرت کے ارتقا کو پیش کرتا ہے وہاں اردو زبان کے ابتدائی نقوش کے حوالے سے بھی مستند اور معتبر معلومات سامنے لاتا ہے۔ اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ کے سلسلے میں محمد باقر آگاہ (م۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء) نے ''ریاض السیر'' ۱۲۱۰ھ/ ۱۷۹۵ء میں، کرامت علی جونپوری نے ''انوار محمدی'' ۱۲۱۲ھ میں، شاہ رؤف احمد رافت (۱۲۰۱ھ/ ۱۲۴۹ھ) نے ''مرغوب القلوب فی معراج المحبوب'' ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء میں، سید عبدالغفور قاضی نے ''تجلیات الانوار'' ۱۲۴۴ھ میں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دادا بدرالدولہ قاضی صبغت اللہ (م۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء) نے جنوبی ہند میں اردو نثر میں سیرت کی پہلی کتاب ''فوائد بدریہ'' ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء میں، سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) نے اپنا مولود نامہ ''جلاء القلوب بذکر المحبوب'' ۱۲۵۸ھ میں، حسرت کرنولی نے ''چار باغ احمدی'' ۱۲۷۰ھ میں، سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نانا اور مرزا غالب کے شاگرد مرزا قربان علی بیگ سالک نے ''عشق مصطفیٰ'' ۱۲۷۴ھ میں، اور مفتی عنایت احمد کاکوروی نے ''تواریخ حبیب اللہ'' ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء میں لکھی ہے۔

مذکورہ کتب سیرت اردو میں اس موضوع پر ابتدائی نثری کاوشیں ہیں۔ ان کے بعد اردو نثر کی ہزاروں کتب سیرت میں جو اہم مصنفین سیرت ہیں، ان میں سرسید احمد خان، علامہ شبلی نعمانی، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالرؤف داناپوری، مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیر کرم شاہ الازہری، سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، نعیم صدیقی، سید نواب علی، سید مناظر احسن گیلانی، چودھری افضل حق، شاہ محمد جعفر پھلواروی، نور بخش توکلی، مولانا اشرف علی تھانوی، مرزا حیرت دہلوی، عبدالحلیم شرر، عبدالماجد دریا بادی، عبدالمجید خادم سوہدروی، عنایت رسول چریاکوٹی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، پروفیسر فیروز الدین روحی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، طالب ہاشمی، عبدالعزیز عرفی، پروفیسر غلام ربانی عزیز، ڈاکٹر خالد علوی، بریگیڈیئر گلزار احمد، سید اسعد گیلانی، سید اولاد حسین فوق بلگرامی، نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی، فضل کریم خاں درّانی، محمد طاہر

فاروقی، ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا حامد الانصاری غازی، مفتی احمد یار خاں، طالب حسین کرپالوی، غلام احمد پرویز، مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، محمد رفیق ڈوگر، ملا واحدی دہلوی اور ڈاکٹر نثار احمد وغیرہ کے نام زیادہ معروف ہیں۔

برصغیر میں سیرت کا آغاز عربی نثر کی کتابوں سے ہوا۔ مدحت و سیرت کے لئے منظوم پیرائے بھی یہاں اختیار کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے اپنے تحقیقی مقالے ''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ ان شعرائے کرام کا تذکرہ لکھا ہے جنہوں نے فنی لوازمات اور لسانی شعور کے ساتھ موضوعاتِ نعت کو قلم بند کیا ہے۔ برصغیر کے عربی زبان میں اہم مدحیہ قصائد کے شاعر، نعت گو اور سیرت نگار جنہوں نے منظوم کوششیں کی ہیں، ان میں شیخ فخر الدین عراقی (م ۶۸۸ھ)، شیخ رکن الدین ملتانی (م ۷۳۴ھ)، قاضی عبد المقتدر الکندی تھانسیری ثم دہلوی (م ۷۹۱ھ) مجد الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) شیخ احمد بن محمد تھانسیری (م ۸۲۰ھ) الدمامینی (م ۸۲۷ھ) حسن بن محمد الصنعانی (م ۶۵۰ھ)، شیخ عبد الوہاب البخاری (م ۹۳۲ھ)، امیر خسرو (م ۷۲۵ھ)، شیخ محمد یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ)، بحر الحضرمی، شیخ محمد واعظ دہلوی (م ۱۰۶۴ھ)، شیخ عبد اللہ الحضرمی العیدروسی (م ۹۹۰ھ)، مولانا حبیب اللہ بیجاپوری (م ۱۰۴۱ھ)، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، مولوی علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ)، حسین بن رشید (م بعد ۱۱۵۲ھ)، شاہ فقیر اللہ جلال آبادی (م ۱۱۹۵ھ)، شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)، محمد باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ)، مولانا غلام محی الدین قصوری (م ۱۲۷۰ھ)، مخدوم ہاشم ٹھٹھوی (م ۱۱۷۴ھ)، شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ)، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ)، حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ)، مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ)، مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ)، نواب سیّد صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ)، قاضی طلا محمد پشاوری (م ۱۳۱۰ھ)، مولانا خیر الدین (م ۱۳۲۶ھ)، مولانا احمد رضا خان بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) اور مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) کے اسمائے گرامی زیادہ معروف ہیں۔

فارسی زبان کا چلن برصغیر میں ۱۸۳۱ء تک سرکاری اور درباری سطح پر قائم رہا مگر برطانوی استعمار کی آمد کے بعد اس زبان کے حوالے سے وہ سرپرستی برقرار نہ رہی جس کے بعد انفرادی اور شخصی ذوق کے تحت فارسی ادبیات میں تخلیقی کاوشیں جاری رہیں۔ اس موقع پر ایران و افغانستان اور تاجیکستان میں فارسی زبان کی کتب سیرت کے جائزے کی تو یہاں گنجائش نہیں مگر برصغیر میں نثر و نظم ہر دو صورتوں میں کتب سیرت کا

ایک وسیع ذخیرہ ملتا ہے۔ تقابلی مطالعہ کیا جائے تو فارسی کتبِ سیرت میں وہ تنوع اور کمال دکھائی نہیں دیتا جو عربی اور اردو زبانوں میں موجود ہے مگر مدائح النبوی اور نعت کے میدان میں اس زبان میں جو کاوشیں سامنے آئی ہیں، ان کا معیار عربی سے فروتر اور اردو سے فزوں تر ہے۔

برصغیر میں فارسی زبان میں قاضی منہاج سراج جوز جانی (م ۶۵۸ھ) نے ''طبقات ناصری'' کے الطبقۃ لاولیٰ میں حضرت آدمؑ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتخب انبیائے کرام کا تذکرہ کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار میں سوانحی حصے کے علاوہ معجزات کا ذکر بھی شامل ہے۔ شیخ رکن الدین دبیر کاشانی نے ''شمائل الاتقیاء'' کے تیسرے باب میں سیرت پر قلم اٹھایا ہے، جس کا اردو ترجمہ میراں یعقوب دکنی نے ۱۰۷۸ھ میں کیا ہے۔ علی بن حسان متقی (م ۹۷۸ھ) نے ''شمائل النبی'' میر خواند نے ''حبیب السیر'' سیّد عبدالاوّل جونپوری (م ۹۶۸ھ) نے بیرم خان کی فرمائش پر ''سفر السعادۃ'' کا ترجمہ کیا، مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری (م ۹۹۰ھ) نے ''شرح شمائل النبی'' اور ''عصمۃ الانبیاء'' صدر الصدور عبدالنبی گنگوہی نے ''وظائف الیوم واللیلۃ النبویہ'' اور ''سنن الھدیٰ فی متابعۃ المصطفیٰ'' مصلح الدین لاری نے ''شرح شمائل ترمذی'' حاجی محمد کشمیری نے ''ترجمہ شمائل ترمذی'' محمد حسین حافظ بن باقر ہروی نے شمائل ترمذی کا ترجمہ ''نثر الشمائل'' محمد باقر بن شرف الدین نے ''حلیہ رسالت مآب'' تالیف ۱۰۷۵ھ، خواجہ معین الدین کاشمیری (م ۱۰۸۵ھ) نے ''خصائص مصطفیٰ'' تالیف ۱۰۷۵ھ، شیخ شیر محمد مشہدی غوث پوری ملتانی نے ''انیس العاشقین'' تالیف ۱۰۷۶ھ، سیّد باب اللہ جعفری نے ''اخلاقِ محمدی'' عبیداللہ نے ۱۰۵۷۔۵۸ھ میں ''زبدہ'' کے نام سے شمائل کی شرح، نور الحق (م ۱۰۷۳ھ) فرزند شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''شرح شمائل النبی''، محمد صفی اللہ بخارائی نے ۱۰۹۱ھ میں ''اشرف الوسائل فی شرح الشمائل'' نظام الدین محمد بن محمد رستم خجندی ایمن آبادی نے ۱۱۰۸ھ میں شرح شمائل النبی لکھی اور اس کا نام ''باغِ محمدی'' رکھا۔ عبدالہادی بن محمد معصوم نے شمائل کی شرح ''اخلاق المصطفیٰ'' سیّد محمد بن جعفر بدر عالم نے ''تہنیۃ الاسلام'' محمد اکبر ارزانی نے سیوطی کی عربی کتاب ''المنہج السوی والمنھل الروی فی الطب النبوی'' کا فارسی ترجمہ الطب النبوی'' کے عنوان سے کیا ہے۔ فارسی نثر میں اہم ترین کتبِ سیرت میں مجدد الف ثانیؒ کی ''اثبات النبوۃ'' اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) کی ''مدارج النبوۃ ودرجات الفتوۃ'' اور ''مطلع الانوار البہیہ فی حلیۃ النبویۃ'' جس کا ایک نام ''حلیہ سید المرسلین'' بھی ہے، شامل ہیں۔

فارسی زبان میں مدحتِ پیغمبر اور نعتِ رسول کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اس زبان کے بہت سے شعرائے کرام نے میلاد نگاری کی سعادت حاصل کی ہے۔ فارسی میں نعتیہ مثنویاں بھی لائق اعتنا ہیں اور

بعض دیگر موضوعاتِ سیرت پر بھی بہت سی منظوم کتابیں ملتی ہیں۔ جنگ نہاوند میں عربوں کی فتح نے ایرانی شعرا پر گہرا ثقافتی اور لسانی اثر مرتب کیا، جس کے نتیجے میں فارسی زبان میں حمد ونعت کے مضامین عام ہو گئے۔ فردوسی کے شاہنامے میں تو حمد ونعت کے سلسلے میں صرف چند اشعار تبرکاً ملتے ہیں مگر ابوسعید ابوالخیر (م۴۴۰ھ) اور حکیم سنائی (م۵۴۵ھ) کی مثنویوں میں تعلیماتِ سیرت کا بیان واضح ہے، شیخ شہاب الدین سہروردی (م۵۸۹ھ) نے ''مونس العشاق'' میں ۶۶، اشعار پر مشتمل معراج نامہ لکھا ہے۔ خاقانی شروانی (م۵۹۵ھ) کے نعتیہ قصائد پر اسے حسانِ عجم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نظامی گنجوی (م۵۹۹ھ) نے ''معراج نامہ''' فریدالدین عطار (م۶۳۷ھ) نے مثنویات وقصائد، مولانا جلال الدین رومی (م۶۷۲ھ) نے اپنی مثنویوں میں تعلیماتِ سیرت، سعدی شیرازی (م۶۹۰ھ) نے مدحتِ خیرالانام کی ہے اور اوحدالدین مراغی (م۷۳۸ھ) نے میلا دلکھا ہے۔ عبدالرحمٰن جامی (م۷۹۸ھ) کی مثنوی ''تحفۃ الاحرار'' میں معراج نامہ شامل ہے۔ قاآنی (م۱۲۷۰ھ)، سروش اصفہانی (م۱۲۸۵ھ)، بہار خراسانی اور محمد صادق ادیب فرہانی (م۱۳۳۶ھ) کے نعتیہ اور میلادیہ قصائد بھی اہم ہیں۔

برصغیر میں فارسی میلاد نگاری اور منظوماتِ سیرت کے حوالے سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (م۶۲۷ھ)، قطب الدین بختیار کاکیؒ (م۶۳۳ھ)، امیر خسرو (م۷۲۵ھ)، جمال الدین محمد عرفیؒ (م ۹۹۹ھ)، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، (م۱۲۳۹ھ) مرزا غالب (م۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۹ء) اور علامہ محمد اقبال (م۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔

فارسی زبان کے ایک غیر معروف شاعر عبدی نے ۸۱۹ھ میں فارسی کی منظوم سیرت لکھی ہے۔ احمد منزوی اور محمد حسین تسبیحی نے ''فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان'' کے متعلقہ جلدوں میں منظوم سیرت نگاروں کے بارے میں اطلاعات دی ہیں۔ خان بابا مشار کی ''فہرست نسخہ ہائے چاپی در فارسی'' کی مجلدات میں بھی ایسی ہی منظوم کتب سیرت کا تذکرہ موجود ہے۔ قصیدہ بردہ شریف اور قصیدہ بانت سعاد کے تو فارسی میں اس قدر شروحات اور منظوم تراجم ہوئے ہیں کہ اس سے مدحتِ رسول کے موضوع پر شعرا کی عقیدت وارادت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فارسی مثنویوں اور دواوین تک کا آغاز حمد ونعت کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ یوں مدحتِ پیغمبر فارسی ادبیات کا ایک لازمہ اور طرۂ امتیاز دکھائی دیتی ہے۔ برصغیر کے مغلیہ عہد میں منظوماتِ سیرت کا ذخیرہ خصوصیت سے لائقِ اعتنا ہے کہ اس میں موضوعاتِ سیرت کے تنوع کے ساتھ فنی لوازم بھی اپنے کمال پر دکھائی دیتے ہیں۔

فارسی منظوماتِ سیرت کے سلسلے میں یعقوب صرفی (م۱۰۰۳ھ) نے مثنوی کے طرز پر مغازی

لکھے۔ محمد عالمگیر نے تولد نامہ اور وفات نامہ لکھا۔ علاول خاں نے ''حکایتِ رسول'' عبدالہادی بن معصوم (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ) نے ''شرح شمائل النبی'' غلام محی الدین قصوری (م ۱۸۵۳ء) نے ''تحفۂ رسولیہ'' محمد فضل نے ''حلیہ نبوی'' حافظ محمد شجاع نے والیٔ بہاولپور کی فرمائش پر مثنوی کے طرز پر سیرت لکھی، گجرات کے پروفیسر ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعہ داری نے ''ہمارے عہد میں'' ''قصیدہ سید المرسلین'' میرزا شیر احمد خان افغان نے ''معراج محمدی'' ۱۳۴۸ھ میں، شیخ العالم اکبر آبادی کی ''نادر المعراج'' ۱۹۰۴ء میں نول کشور سے شائع ہوئی نیز لچھی نرائن شفیق کا ''معراج نامہ'' کسی غیر مسلم شاعر کا پہلا فارسی منظومہ ہے۔

اردو زبان میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز وارتقا کا مختصراً گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس زبان میں منظوماتِ سیرت کا تذکرہ ایک مستقل تحقیق طلب موضوع ہے۔ راقم کے خاندانی کتب خانے ''بیت الحکمت'' (۱۸۸۰ء) میں جہاں سیرتِ نبوی کی نثر میں پانچ ہزار سے زائد کتب موجود ہیں، وہاں ایک سو کے قریب مختلف موضوعاتِ سیرت پر منظوم کاوشیں بھی موجود ہیں۔ اردو زبان میں نعتیہ شاعری کے جائزے کے حوالے سے بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ نعتیہ مجموعوں کی ایک نامکمل فہرست چودھری محمد یوسف ورک قادری نے ''فہرستِ کتب، نعت لائبریری، شاہدرہ'' کے عنوان سے مرتب کی ہے، جس میں اردو زبان کے حوالے سے نعت کے موضوع پر ۷۷۷ کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں یقیناً سیکڑوں مجموعہ ہائے نعت کا مزید اضافہ بآسانی ممکن ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے ''اردو نعت گوئی'' کے عنوان سے جو تحقیقی مقالہ لکھا ہے، وہ اردو زبان کے حوالے سے بہت وقیع تحقیقی اور تنقیدی کاوش ہے۔ ڈاکٹر طاہر اقبال خاں نے ''اردو میں منظوم سیرت نگاری'' پر تحقیقی کام کیا ہے، وہ اس سلسلے میں ''بیت الحکمت'' لاہور میں استفادے کی غرض سے تشریف لائے مگر میں ہنوز اس مقالے کی زیارت یا مطالعے سے محروم ہوں۔

ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی نے ''دکن میں اردو'' میں قدرتی کو اردو کی منظوم سیرت کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ قدرتی کے اس منظومے کا مخطوط کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے جو ناقص الآخر ہے۔ یہ مخطوط ''قصص الانبیاء'' کے عنوان سے نظم کیا گیا ہے، جس میں ۲۱ انبیائے کرامؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں ۱۳۹۱ عنوانات کے تحت دس ہزار سے زیادہ اشعار ملتے ہیں۔ یہ کسی عربی یا فارسی تصنیف کا منظوم ترجمہ نہیں بلکہ ذاتی تصنیف ہے۔ ۱۰۹۰ھ میں لکھے جانے والے اس مخطوط میں سیرت کا تذکرہ ہجرت حبشہ تک موجود ہے۔ اگر کبھی اس مخطوط کے باقی اجزا مل گئے تو اس کی اوّلیات میں مزید حسن وکمال پیدا ہو جائے گا۔

اردو زبان میں میلاد ناموں کا سراغ دکنی ادب میں ملتا ہے۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنی (م ۱۵۶۵ء)

کی ایک نظم ''معراجِ نبوی'' کے عنوان سے ملتی ہے۔شاہ برہان الدین جانم (م۱۵۸۲ء)، غلام مصطفیٰ احمد آبادی، محمد قلی قطب شاہ (م۱۰۲۰ھ)، عبدالمالک بھروچی، ملک خوشنود، عبدالرسول، سید بلاقی حیدر آبادی، ملاوجہی (م۱۶۵۹ء)، سیّد شاہ حسین ذوقی، عبداللطیف، محمد مختار، نصرتی (م۱۶۷۵ء) شاہ امین الدین اعلیٰ (م۱۶۷۵ء)، عالم گجراتی، پیر مشائخ، شیخ احمد گجراتی، محی الدین فتاحی، جنونی گجراتی، محمد امین گجراتی، امامی دکنی، سید میراں شاہ ہاشمی بیجاپوری (م۱۱۰۹ھ) صاحباں عثمان، شاکر، علی بخش دریا، معظم قادری، شریف، عبدالرحمٰن ترین، اعظم دکنی، مخدوم حسینی، عنایت شاہ قادری (م۱۱۵۵ھ) میر ولی فیاض ولی ویلوری، کریم الدین سرمست، غریب اللہ، محمد بن مجتبیٰ مہدوی، شاہ ابوالحسن قربی (م۱۷۶۸ء) راحت، افصحی، نوازش علی شیدا (اعجاز احمدی ان کا معروف مجموعۂ کلام ہے)، شاہ کمال الدین (م ۱۲۰۵ھ)، غلام اعزاز الدین نامی (م۱۸۲۴ء)، مولانا محمد باقر آگاہ (۱۷۴۵ء۔۱۸۰۵ء) (انہوں نے سیرت پر آٹھ منظوم رسائل ''ہشت بہشت'' کے عنوان سے لکھے ہیں)، جان محمد عاجز، سید امیر الدین حسین، محمد خان اور فضل رسول جنوبی ہند کے معروف میلاد نامے لکھنے والے شاعر یا ادیب ہیں جن کے نمونہ ہائے کلام اور مزید تفصیلی حالات ''اردو میں میلاد النبی'' از محمد مظفر عالم جاوید صدیقی کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ڈاکٹر انور محمود خالد نے بھی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو نثر میں سیرتِ رسول'' کے ابتدائی ابواب میں اس موضوع پر عمدہ تحقیقی معلومات فراہم کی ہیں۔

شمالی ہند کے میلاد نامہ لکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کی تعداد بھی ۱۸۵۷ء تک پچاس سے متجاوز ہے، جن میں شاہ رفیع الدین دہلوی، کرامت علی شہیدی، شاہ رؤف احمد رافت، سرسید احمد خان، غلام امام شہید، امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے نام بہت نمایاں ہیں۔۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے بیسویں صدی عیسوی تک سو کے قریب میلاد نگاروں کے نام ملتے ہیں جن میں مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کرامت علی جونپوری، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا نقی علی خان بریلوی، محسن الملک سید مہدی علی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، حافظ ابراہیم علی خاں خلیل، نواب صدیق حسن خان (ان کا میلاد نامہ "الشمامة العنبریه من مولد خیر البریه" ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا جو نثر میں ہے اور ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے)، میر مہدی مجروح، محمد جعفر علی ملیح آبادی اور سید عبدالفتاح اشرف علی کے نام معروف ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں ساٹھ سے متجاوز مولود نامے لکھے گئے جن میں مولانا حسن رضا خان حسن، خواجہ محمد سلامت اللہ سونی پتی، مولوی ابراہیم بناری، مولانا عبدالحلیم شرر (م۱۹۲۶ء نے ۱۹۱۹ء میں ''سوانح خاتم المرسلین'' کے عنوان سے میلاد کی ایک کتاب لکھی ہے جس کی ضخامت ۲۴۵ صفحات

پر مشتمل ہے۔ یہ ان کی ''جویائے حق'' والی سیرت بطرزِ ناول کے علاوہ ہے)، حاجی رحیم بخش، سید محمد بشیر الدین احمد، مرزا عزیز لکھنوی، عبدالرزاق ندوی، مولانا محمد اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء، سیرت کے علاوہ مولود سے متعلق ان کی دو کتابیں ''میلاد النبی'' اور "نیل الصدور فی حقوق ظهور النور" کے نام سے ہیں)۔ بیدم وارثی، خواجہ محبوب عالم اور علامہ نور بخش توکلی بھی معروف ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں بھی پچاس سے زائد حضرات نے مولود نامے کے طرز کی تحریریں لکھی ہیں۔ ایسے میلاد نگاروں میں مفتی محمد شفیع، حبیب الرحمٰن خان شروانی، آرزو لکھنوی، سیماب اکبر آبادی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، خواجہ حسن نظامی، سید مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالکلام آزاد، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مفتی انتظام اللہ شہابی، احترام الدین شاغل، بہزاد لکھنوی، خواجہ محمد شفیع دہلوی، حفیظ جالندھری، حافظ محمد رحیم دہلوی، محشر رسول نگری، سیّد احمد سعید کاظمی، مولانا کوثر نیازی اور سیّد محمود احمد رضوی کے اسمائے گرامی زیادہ معروف ہیں۔ میلاد ناموں کا یہ سلسلہ نظم ونثر ہر دو میں ہنوز جاری وساری ہے۔ اس ضمن میں خواتین میلاد نویسوں کا تذکرہ ایک الگ بیان کا متقاضی ہے۔ برصغیر کی مسلم خواتین نے بھی عقیدت ومحبت کے پھول آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر نچھاور کیے ہیں۔

مولود ناموں کے اس اجمالی تذکرے کے بعد اب منظوماتِ سیرت کے حوالے سے کچھ معلومات پیش کی جاتی ہیں، جن کے محض عنوانات، شعرا اور سنینِ اشاعت سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اردو زبان میں سیرتِ نبوی کے حوالے سے کس قدر متنوع کاوشیں منصہ شہود پر آ چکی ہیں۔ اُردو شعرا نے تقریباً تمام اصناف سخن اور جملہ بحور میں اس محبوبِ جہاں کے جمالِ دل ربا اور معمولات وتعلیمات کو کیسے کیسے پیرائے میں پیش کیا ہے۔ کہیں سوانحی تفصیلات ہیں تو کہیں معجزات کا بیان ہے۔ کسی جگہ شمائل کا ذکر ہے تو کسی جگہ غزوات کو منظوم کیا گیا ہے۔ کائنات کی یہ عجیب دل نواز شخصیت ہے کہ جس کے خصائص وخصائل کا بیان ہر دور میں نو بہ نو اسالیب میں پیش کیا گیا اور مستقبل اس کے حضور متنوع جہات نذرانہ ہائے عقیدت پیش کرتا رہے گا۔ گزشتہ دو سو سالوں میں میلاد اور مدحت کے موضوعات کے علاوہ مستقلاً سیرت وسوانح پر جو منظومات ملتی ہیں، ان کا تذکار جلیل دیکھیے:

☆ محمد باقر آگاہ، ''ہشت بہشت'' (۱۱۸۴ھ۔۱۲۰۶ھ) کے درمیان لکھی گئی۔ آٹھ مختلف حصوں میں اس مثنوی کے ۸۹۲۹، اشعار ہیں۔

☆ نوازش علی شیدا، ''اعجاز احمدی'' (۱۱۸۷ھ)، ۱۷۳۶۰، اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ میر ولی فیاض ولی دیلوروی، ''روضۃ الانوار'' (۱۱۵۹ھ)، پچاس سے زائد عنوانات پر مشتمل

ہے۔اشعار کی تعداد ۲۲۴۰ ہے۔

☆ شاہ محبوب عالم جیون، ''دردنامہ'' (۱۷۲۰ء)

☆ محمد عثمان شاد پونوی ''سیرتِ النبی'' (۱۳۶۸ھ) ۶۳،اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ سیّد عبدالرزاق کلامی، ''گوہر مخزون'' یہ شاہ ولی اللہ کی فارسی کتابِ سیرت ''سرور المحزون'' کا منظوم ترجمہ ہے۔شاہ صاحب نے مرزا مظہر جان جاں دہلویؒ کی فرمائش پر ابن سید الناس کی عربی کتاب ''نور العیون'' کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔کلامی نے واقدی کی ''فتوح الشام'' کا منظوم ترجمہ ''صمصام الاسلام کے نام سے پچیس ہزار اشعار میں کیا جو اردو کا ایک عظیم رزمیہ ہے۔کلامی کی ''حسام الاسلام'' (۱۳۳۲ھ) غزوات وقصائد پر مشتمل ہے،اس کی تقریظ علامہ شبلی نے لکھی ہے۔

☆ قاضی غلام علی مہروی، ''مصباح المجالس'' (۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء)

☆ حکیم شیخ امانت علی، ''تذکرہ رسول اکبر'' (۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء) ۳۵۲۱،اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ شاکر، ''مولود النبی'' (۱۶۸۸ء) ۲۵۰۰،اشعار پر مشتمل مثنوی ہے۔

☆ کریم الدین سرمست، ''مولود النبی'' (۱۱۶۹ھ/۱۷۵۵ء) ۵۶۱۰،اشعار پر مشتمل مثنوی ہے۔

☆ شاہ غوثی جامی، ''قصص الانبیاء'' آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل مخطوط ہے،جس میں ۲۲۲۳،اشعار سیرت کے حوالے سے ہیں۔

☆ محمد غوث، ''تالیفِ غوث'' انجمن ترقی اردو،کراچی میں مخطوط ہے۔(۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء)۔

☆ مرزا محمد رفیع باذل (م۱۱۲۳ھ) ''حملۂ حیدری'' (۱۱۱۹ھ) ملا معین کاشفی الہروی کی فارسی تصنیف ''معارج النبوۃ'' کا فارسی میں منظوم ترجمہ ۲۵۰۰۰، اشعار میں ہوا۔اس منظوم سیرت ''حملۂ حیدری'' کے منظوم تراجم بھی ہوئے اور نثر میں بھی ایک ترجمہ ہوا جو سیّد محسن علی اسیر بہاری بن سیّد میر علی نے ''غزواتِ حیدری'' کے نام سے کیا ہے اور مطبع نولکشور،لکھنؤ سے ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔اس کا منظوم اُردو ترجمہ سیّد واجد علی شاہ بادشاہ اختر نے ۱۸۴۸ء میں ''ہیبتِ حیدری'' کے عنوان سے کیا جس کے ۳۲۱۲، اشعار ہیں اور جو مطبع سلطانی کلکتہ سے ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا۔محمد جعفر خان جعفر نے اس کا ایک منظوم ترجمہ ''نظمِ جعفری'' کے نام سے کیا جو کاظمی پریس، جونپور سے شائع ہوا ہے۔اس کا ایک منظوم اُردو ترجمہ نیشنل بنک آف پاکستان،کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے جو دو حصوں پر منقسم ہے۔پہلا حصہ ۲۱۵ صفحات پر مشتمل ہے جسے میر ذوالفقار علی خاں صفا نے کیا ہے اور اس میں اشعار کی تعداد ۱۰۱۹۷ ہے۔یہ حصہ سلطان المطابع ،لکھنؤ سے ۱۳۰۵ھ میں شائع ہوا۔دوسرا حصہ ان کے شاگرد مرزا محمد بن تجلّی شاہ نے منظوم

کیا ہے اور یہ ۲۱۶۔۵۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ''حملہ حیدری'' کے ان چار تراجم کا ذکر ملتا ہے جس میں سے تین منظوم اور ایک منثور ہے۔

☆ غلام محمود حسرت، ''ریاض السیر'' (۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء) فارسی سے منظوم اردو ترجمہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۸۴۹۵ ہے۔

☆ حکیم غلام دستگیر، ''یادگارِ دستگیری'' (۱۸۹۵ء) ۲۱۳۵، اشعار پر مشتمل سیرت ہے۔

☆ سیّد محمد حیات، ''احوال النبیؐ'' (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) ۲۷۵، ابیات ہیں۔

☆ نواب عظمت علی خان، ''مولود النبیؐ'' (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

☆ امام بخش ناسخ، ''مولود شریف'' (۱۲۳۸ھ)

☆ مولوی شاہ عبدالحی قادری احقر، ''جنان السیر فی احوال سید البشر'' (۱۲۶۵ھ سے ۱۲۷۵ھ) کے درمیان مرتب ہوئی۔ اس کے دس چمن (حصے) ہیں اور اشعار کی کل تعداد ۲۰۴۹۴ ہے۔

☆ سیماب اکبر آبادی، ''ریاض الاطہر فی احوال سید البشر'' حصہ اوّل ۱۹۲۲ء میں، حصہ دوم سیّد حسین مرتضیٰ شفق رضوی عماد پوری نے ۱۹۱۷ء میں لکھا۔

☆ سیّد عنایت علی مسرور انہونوی، ''کارنامۂ اسلام'' (۱۹۳۴ء) مسدس کے ۱۴۱۰ بندوں پر مشتمل ہے

☆ علامہ عزت علی خان عزت، ''عرب کا باشی'' ''۱۳۵۰، اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ راؤ حاجی عبدالحمید خان منظر، ''آفتابِ رسالت'' (۱۹۴۲ء) ۴۶۲، اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ نفیس خلیلی، ''قدسی'' (۱۹۴۲ء) ۳۸۷، اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ بہزاد لکھنوی، ''بیانِ حضور'' ۱۱۱۴، اشعار پر مشتمل ہے۔

☆ تبسّم قریشی، ''خورشید رسالت'' اور ''محبوب الٰہی'' کے نام سے دو مجموعے لکھے ہیں۔

☆ علی حیدر نظم طباطبائی، ''تحفت قصائد'' (۱۲۵۲ھ)

☆ ملک منظور حسین منظور، ''جنگ نامۂ اسلام'' (سہ حصص) ۱۹۳۵ء

☆ فضل محمد فضل جالندھری، ''معجزاتِ رسول'' (اپریل ۱۹۴۲ء) کل اشعار ۱۱۳۳

☆ لطافت علی ہما صدیقی، ''فتوحاتِ اسلام'' (۱۳۹۵ھ) کل اشعار ۱۳۰۰

☆ آغا درّانی، ''معجزات منظوم'' (۱۹۴۷ء) طبع ثانی ۱۹۹۵ء

☆ مسعود اختر، ''پیغمبر اسلام'' کل اشعار ۳۱۳

☆ امرناتھ سیٹھ اشوق، ''مدنی موہن'' (۱۹۴۷ء)

☆ غلام محمد محزوی، ''وحدانیہ'' کل اشعار ۲۷۰۰

☆ شکیل رضا ساقی، ''خیر الورید'' (۱۴۲۰ھ) مسدس ہیئت میں ۱۸۱ بند

☆ راجا عبداللہ خان نیاز، ''یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا کے'' (۱۹۶۷ء)

☆ سیّد منیر علی جعفری، ''تاریخ اسلام منظوم'' (۱۹۶۶ء)، یہ منظومہ سیرت نبوی پر ہے۔

☆ ہمدم علیگ، ''ذکرِ حبیب'' (۱۹۶۶ء) ''رحمتِ عالم'' کا منظوم ترجمہ

☆ محشر رسول نگری، ''فخرِ کونین'' پہلا حصہ ۱۹۶۱ء، دوسرا ۱۹۶۴ء اور تیسرا ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

☆ سیّد ضمیر علی دل طالب نگری، ''حیاتِ طیبہ وسیرتِ مطہرہ'' (جون ۱۹۷۰ء)

☆ عمیق حنفی، ''صلصلۃ الجرس'' (۱۹۷۲ء)

☆ سیّد زائر حسین زائر زیدی، ''اوّل بھی آپ، آخر بھی آپ'' (۱۹۶۶ء اور ۱۹۹۵ء)

☆ صادق علی صادق دریابادی، بستوی، ''داعیٔ اسلام'' (کلام شعرائے اردو) '' بے نقط کلام پر مشتمل اردو کی پہلی منظوم سیرت (۱۴۱۱ھ)

☆ شمیم یزدانی، 'بقعۂ انوار'' (۱۹۷۷ء)

☆ ابوالاثر حفیظ جالندھری، شاہنامۂ اسلام'' (چار جلد) ۱۳۴۶ھ سے ۱۳۶۵ھ کے دوران میں لکھا گیا۔ مگر افسوس غزوۂ خندق تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ شیخ سر عبدالقادر اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے اس پر مقدمہ وتعارف لکھا ہے۔

☆ محمد علی مجددی نقشبندی، ''شاہنامۂ اسلام'' حصہ پنجم بہ طرز حفیظ جالندھری

☆ عامر عثمانی، ''شاہنامۂ اسلام جدید'' (۱۹۷۳ء)

☆ غیرت قادری، ''شہنشاہ نامہ'' (۱۳۶۱ھ)

☆ محمد ابراہیم ہندی فتح پوری، ''شاہ نامہ ہندی''

☆ سید امیر الدین حسین، ''ممتاز التفاسیر'' یہ سیرت کا منظومہ ہے۔

☆ چندر بھان خیال، ''لولاک'' فرید بک ڈپو، دہلی

☆ سید شمس الحق بخاری، ''مثنوی جمالِ محمد'' (۱۹۸۲ء)

☆ نواب علی قاضی، ''رسول کریم'' (۱۹۸۴ء)

☆ شرف الدین ساحل، ''حرا کی روشنی'' (۱۹۹۰ء)

☆ لطیف مالیگانوی، ''حیاتِ مقدسہ'' کل اشعار ۱۴۵۰

☆ لالہ صحرائی، ''غزوات رحمۃ للعالمین'' (۱۹۹۷ء)
☆ قیصر الجعفری، ''چراغِ حرا'' (۱۹۹۷ء)
☆ چرن سرن ناز مانک پوری، ''رہبرِ اعظم'' (۱۹۸۶ء) کل اشعار ۶۳۰
☆ صفوت علی صفوت، ''مثنویٔ رسول'' (۲۰۰۱ء)
☆ امین صدیقی، ''تنزیل'' (۲۰۰۱ء)
☆ راجہ رشید محمود، 'قطعاتِ سیرت، سیرتِ منظوم'' (۱۹۹۲ء)
☆ نصیر پرواز، ''رسولِ اکرم'' (۲۰۰۳ء)
☆ عنبر بہرائچی، ''لَمْرِيَات نظيرك فى نظر'' (۱۹۹۶ء)
☆ خواجہ الطاف حسین حالی، ''مسدس مدّ و جزر اسلام'' (۱۸۷۹ء) اپنے مزاج، روح اور مقصد کے لحاظ سے یہ تعلیماتِ سیرت اور تاریخ اُمت کے عروج و زوال کا قصیدہ و مرثیہ ہے۔
☆ علیم ناصری، ''بدر نامہ'' (۲۰۰۲ء)
☆ جاوید القادری، ''سیرت طیبہ'' ۲ جلد، (۲۰۰۳ء)
☆ حافظ کرناٹکی، ''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (۲۰۰۷ء)
☆ انصار الحق قریشی گہرا عظمی، ''سرور کائنات'' (۲۰۰۵ء)
☆ مخدوم عاشق قریشی، ''سرورِ کونین کے ظاہری ۶۳ سال'' (۲۰۰۲ء)

اردو زبان میں ان منظوم کتبِ سیرت کا ایک اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے، وگرنہ تلاش و جستجو سے اس فہرست میں خاطر خواہ اضافہ ممکن ہے۔ سیرت نگاری کی ایک شکل حرمین شریفین کے وہ سفرنامے بھی ہیں جو سیکڑوں کی تعداد میں زائرینِ حرم اور مشتاقانِ شہر نبی نے اپنی محبتوں اور عقیدتوں میں ڈوب کر لکھے ہیں۔ ان سفرناموں میں وقائع سیرت اور اماکنِ سیرت کا بہت بڑا لوازمہ مشاہدات کی صورت میں موجود ہے۔ برصغیر میں حرمین کا پہلا سفرنامہ حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادی نے فارسی زبان میں لکھا ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مریدِ خاص تھے۔ اس سفرنامے کا ترجمہ نسیم احمد فریدی امروہوی نے کیا ہے جو مولانا محمد منظور نعمانی کے جریدے ''الفرقان'' لکھنؤ کی ایک کامل اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ حرمین کے ان سفرناموں کا ایک لائقِ توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ بعض حضرات نے اردو زبان میں منظوم سفرنامے بھی لکھے ہیں۔ میرے حبیبِ گرامی ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کے گوجرانوالہ میں واقع عظیم ذاتی کتب خانے میں اغلباً برصغیر میں سفرناموں کا سب سے بڑا ذاتی ذخیرہ موجود ہے۔ انہوں نے ان سفرناموں کی ایک فہرست

''نوادرات'' کے نام سے مرتب کی ہے جس میں حرمین کے ۲۵۰ سفرناموں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں سے نومنظوم سفرنامے اردو میں ہیں، جن کی تفصیل منظوماتِ سیرت کے حوالے سے ان شاء اللہ مفید ہوگی:

☆ محمد حفیظ الرحمٰن وفا دبائری، ''راہِ وفا'' علی گڑھ، ۱۹۳۸ء، ص:۳۳۴

☆ حمید صدیقی، ''گلبانگِ حرم'' لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص:۲۹۴

☆ میر ناصر نواب، ''سفرنامۂ ناصر'' مطبع انوار احمدیہ، قادیاں، ۱۹۱۰ء، ص:۳۸

☆ اسد ملتانی، ''تحفۂ حرم'' ملتان، ۱۹۵۴ء ص:۵۰

☆ حافظ لدھیانوی/مصطفیٰ صادق، ''صدر جنرل محمد ضیاء الحق حرمین شریفین میں'' فیصل آباد، ۱۹۸۴ء، ص:۳۲

☆ شوکت واسطی، ''یاد آتی ہے راہی کو'' ۱۹۸۵ء، ص:۱۲۴

☆ حافظ لدھیانوی، ''معراجِ سفر'' فیصل آباد، ۱۹۹۰ء، ص:۱۶۸

☆ سیّد عبدالقدوس، ''سایۂ زلفِ مہربان'' لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۲۱۹

☆ ع۔س۔مسلم، ''کاروانِ حرم'' لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۳۰۳

اس سلسلے کی ایک حالیہ کڑی **بلـغ العلیٰ بکمالہ** ہے جو جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے۔ اس عہدِ خوش خیال میں جمالِ فطرت کی آغوش میں لپٹی ہوئی ایک وادی جسے بہاولپور کہتے ہیں اور جو اپنے جغرافیائی ماحول کے اعتبار سے حجاز کے صحرائی ماحول اور ریتیلے ٹیلوں سے بہت مماثلت رکھتی ہے، اس وادیٔ تہذیب و ثقافت میں ایک خورشید صفت شخص ہے کہ جو اس جمالِ فطرت کے مخزن و معدن کا ناظر ہے۔ اس نظارۂ جمال نے اس کے دل و دماغ میں مشاہدات کا جو جہانِ قدسی آباد کیا ہے اس کا عکس ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' کی منظوم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں سمٹ آیا ہے جیسے سوادِ چشم میں پورا فلک سما جاتا ہے۔ جس ذاتِ قدسی صفات کا وہ متوالا ہے اس کی تعریف تو خود خالقِ کائنات، اس کے فرشتے اور جہانِ رنگ و بو کی تمام سعید روحیں کر رہی ہیں۔ مگر شعرائے کرام بھی گزشتہ چودہ صدیوں سے قصائد کے گلدستے، نعتوں کی ڈالیاں، مثنویوں کی ملہار اور رزمیہ اور بیانیہ شاعری کی لڑیاں اس کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ عقیدت و ارادت اور محبت و الفت کوئی مسابقت کی چیز نہیں لیکن فنی پختگی اور لسانی شعور کا ظرف اپنے موضوعاتی مظروف کو حسین تر بنا دیتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ موضوعِ سخن تو ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' والا ہے لیکن میرے ممدوح فداک امی و ابی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو شخص اب نذرانۂ عقیدت لے کر پیش ہو رہا ہے، وہ شاعرِ بے مثال اور ناظمِ بے بدل، خورشید ناظر ہے۔

محترم خورشید احمد ناظر کے کوائفِ حیات کو جاننے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ یہ سعید روح فلک بلند بام سے تختۂ فرش پر ۲ جنوری ۱۹۴۴ء کو حاضر ہوئی۔ تعلیم و تعلم اور مختلف محکموں کی ملازمانہ غلام گردشوں سے گزرتے ہوئے، اب اس کی سکونت اور سکینت کے سامان بہاولپور شہر تک محدود ہو گئے ہیں۔ مطالعہ اس کا شوق اور قلم اس کا ذوق ہے۔ اسی ذوق و شوق کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اس کی توانائیوں اور صلاحیتوں کا قافلۂ سخت جان اب ایک ایسے نقطے پر آ کر رک گیا ہے، جہاں فراق کی برہا میں جلنے والی ارواح کو ایک سکون سا میسّر آ جاتا ہے۔ منظوم سیرتِ نبوی کی اس سعادتِ عظمیٰ سے پہلے اس نے اپنے ممدوح کی مکی اور مدنی وادیوں کی خوب خوب سیر کی اور وہاں سے واپسی پر اپنے قلبی تاثرات کو ''ہر قدم روشنی'' جیسے ایک کامیاب سفرنامے کا روپ دیا۔ آدمی بہاولپور میں رہے اور اس کی نس نس میں خواجہ غلام فریدؒ کی کافیوں کی حدت و حرارت نہ دوڑے، یہ کیسے ممکن ہے۔ سو خورشید ناظر نے بھی خواجہ صاحب کی روحانیت کو ایک آفاقی رنگ دینے کی کوشش کی اور یہ کاوش ''کلام فرید اور مغرب کے تنقیدی رویے'' کی صورت میں نقادانِ ادب سے اپنا خراج وصول کر رہی ہے۔ انہوں نے درسی اور نصابی کتابیں بھی تحریر کی ہیں اور اخبارات میں کالم بھی لکھے ہیں۔ اس نے اپنی شاعری میں جمالیاتی آہنگ بھی پیش کیا ہے اور خالص فنی موضوعات پر تحریریں بھی لکھی ہیں مگر اس کے فکری گلستان کا گل سرسبد اب اس منظوم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں سامنے آ رہا ہے جس کے لئے اس فقیر کا مجوزہ نام ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' انہوں نے کمال محبت سے منظور اور قبول کر لیا ہے۔

خورشید ناظر نے اس منظومۂ سیرت کے لئے عروضی سطح پر بحر ہزج (مَفَاعِی لُن) کا انتخاب کیا ہے جس نے اشعار کی روانی، شگفتگی، برجستگی اور نغمگی میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ ساڑھے سات ہزار اشعار کے اس بیانیہ میں از اوّل تا آخر ایک عجیب کیف و مستی کا سماں چھایا ہوا ہے۔ مضامین ابرِ رحمت بن کر اس پر برسے ہیں اور صنائع بدائع نے اپنے سارے جواہر اس پر نچھاور کئے ہیں۔

خورشید ناظر کے دل میں ایک اچھا مسلمان اور اس کے سینے میں ایک اچھا شاعر چھپا ہوا ہے۔ ان دونوں نے مل کر اس کی مدحیہ شاعری میں ایک الہام نما کیفیت پیدا کر دی ہے۔ سیرت کے موضوع پر سیکڑوں منظوم مجموعے شائع ہو چکے ہیں، لاکھوں نعتیہ اشعار نذر کئے جا چکے ہیں مگر ہنوز معاملہ اوّل قدم کا سا ہے۔ مجھے اس مجموعۂ اشعار کو از اوّل تا آخر پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، سیرت کے ایک ادنیٰ طالب علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ محبّ کی حیثیت سے مجھے اس منظومۂ سیرت میں جو اختصاصی کمال اور امتیازی جمال نظر آیا ہے، اسے مختصراً عرض کرتا ہوں:

خورشید ناظر نے وقائع سیرت کے حصول وانتخاب میں صحت واستناد کا بہت خیال رکھا ہے اور اس ضمن میں تاریخ کو کتاب وسنت کے استشہاد پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ مشاہداتِ حرم نے ان کے ہاں مطالعۂ سیرت کا ایک ایسا ذوق اور منہج پیدا کر دیا ہے کہ جس کے باعث ان کے کلام میں جذبہ وتاثیر کی شدّت دکھائی دیتی ہے۔ فنی لحاظ سے وہ شعر کا پختہ شعور رکھتے ہیں۔ عروض وبحور پر انہیں کامل دسترس ہے۔ بندشِ الفاظ اور تراکیب کی ساخت پر انہیں گرفت حاصل ہے۔ وہ عیب پیدا کرنے والے مبالغے اور سخن میں خامی پیدا کرنے والی سادگی ہر دو سے پرہیز کرتے ہیں۔ شعر گوئی میں ان کا قلم محبت وعقیدت میں ڈوبا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اُردو زبان کی اوّلیں منظوم سیرت ہے جس کے تمام ابواب وفصول کے عنوان بھی منظوم ہیں۔ ان سب عوامل اور عناصر نے مل کر "**بلغ العلیٰ بکمالہ**" کو ایک معجزۂ سخن میں بدل دیا ہے۔ قلبِ منیب رکھنے والے مسلمانوں اور مشتاقانِ خاتم المرسلین کو یہ منظومۂ سیرت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کاوشِ جمیل کو شاعر کی حسنات میں شمار فرمائے۔ آمین۔

حوالہ جات

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب
۲۔ جامع الترمذی، باب ماجاء ان من الشعر حکمۃ
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الاداب، باب البیان والشعر
۴۔ الشعراء۲۶: ۲۲۴۔۲۲۷
۵۔ الحاقۃ ۶۹: ۴۰۔۴۱
۶۔ یٰس ۳۶: ۶۹
۷۔ الاحزاب ۳۳: ۵۶
۸۔ آل عمران ۳: ۳۱
۹۔ الاحزاب ۳۳: ۲۱
۱۰۔ القلم ۶۸: ۴
۱۱۔ الاحزاب: ۴۵۔۴۶
۱۲۔ التوبۃ: ۱۲۸
۱۳۔ النساء ۴: ۶۵
۱۴۔ النساء ۴: ۵۹

۱۲۔ التوبۃ: ۱۲۸
۱۳۔ النساء: ۶۵
۱۴۔ النساء: ۵۹
۱۵۔ لانبیاء: ۱۰۷
۱۶۔ الحشر: ۷
۱۷۔ الاحزاب: ۶
۱۸۔ الصحیح البخاری۔ کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان۔ عن ابو ہریرہ
۱۹۔ صحیح مسلم۔ کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عن انس بن مالک
۲۰۔ رواہ فی شرح السنۃ
۲۱۔ الہیثمی، مجمع الزوائد
۲۲۔ الحجرات ۴۹: ۱۔۲
۲۳۔ صحیح بخاری عن عمر بن خطاب
۲۴۔ الملفوظ، حصہ دوم، ص ۴

مکی اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

صفحات: ۳۲۰ قیمت: ۲۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی

فون: ۶۶۸۴۷۹۰

عہدِ رسالت ﷺ میں یہودی سرداروں کا قتل

ایک تنقیدی جائزہ

محمد اکرم وِرک ☆

حضرت محمدؓ بن مَسْلَمَہ (م ۴۳ھ) نے ۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشہور یہودی سردار کعب بن اشرف کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے خفیہ طریقے سے قتل کردیا، اسی طرح ایک دوسرے یہودی سردار ابورافع سَلاَّ مُ بْنُ اَبِی الْحُقَیقِ کو بھی حضرت عبداللہؓ بن عتیک انصاری (م ۱۲ھ) نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ٦ھ میں گوریلا کاروائی کے ذریعے قتل کردیا۔ ان لوگوں کی دشمنی اسلام اور اہل اسلام کے لئے کھلی جنگ کی شکل اختیار کرچکی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بجائے اس کے کہ پوری یہودی قوم کے خلاف اعلانِ جنگ فرماتے جس سے خون ریزی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا، آپ ﷺ نے شرانگیزی کے اصل سرغنوں کو قتل کروادیا اور باقی یہودی قوم سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ ایسے باغی اور شر پسند عناصر کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے جو کاروائی فرمائی، معروضی حالات اور اسلامی قوانین کے مطابق بالکل بروقت اور درست تھی۔

یہودی سرداروں کے خلاف کی گئی ان گوریلا کاروائیوں کی مکمل تفصیلات تاریخ، سیرت اور معتبر کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ کعب بن اشرف کے خلاف گوریلا کاروائی کی تفصیل حضرت جابر بن عبداللہؓ (م ۷۸ھ) سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچائی ہے۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا: پھر مجھے کچھ تعریضاً کہنے کی اجازت دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کہہ لینا، پس وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے باتیں کیں اور اپنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضی معاملہ بیان

☆ استاد شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج قلعہ دیدار سنگھ، گوجرانوالہ

کیا اور کہا: یہ شخص ہم سے صدقات لیتا ہے اور ہم کو اس نے مصیبت میں ڈال رکھا ہے، جب کعب نے یہ سنا تو کہا: خدا کی قسم ابھی تو تم کو اور مصیبت پڑے گی۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں اب ہمیں اس کو چھوڑنا برا معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دو۔ کعب نے کہا: تم میرے پاس کیا چیز رہن رکھو گے؟ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: جو تم چاہو۔ کعب نے کہا: تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھ دو، محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں! کعب نے کہا: پھر اپنے بچے گروی رکھ دو، محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: پھر تو ہمارے بچوں کو یہ گالی دی جائے گی کہ یہ دو وسق کھجور کے عوض گروی رکھا گیا تھا، البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں گے۔ کعب نے کہا: ٹھیک ہے، محمدؓ بن مسلمہ نے کعب سے وعدہ کیا کہ حارثؓ، ابوعبسؓ بن جبر اور عبادؓ بن بشر کو لے کر تمہارے پاس آؤں گا۔ سو یہ لوگ اس کے پاس گئے اور رات کو اسے بلایا، کعب ان کی طرف جانے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: مجھے ایسی آواز آرہی ہے جیسے خون کی آواز ہو، کعب نے کہا: یہ محمدؓ بن مسلمہ، اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہؓ ہے۔ اور معزز آدمی کو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ چلا جاتا ہے، ادھر محمدؓ بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھاؤں گا جب میں اس پر قابو پاؤں تو تم اس پر حملہ کر دینا۔ جب کعب نیچے اترا تو وہ سر کو چادر سے چھپائے ہوئے تھا، ان لوگوں نے کہا کہ آپ سے تو خوشبو کی مہک آرہی ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں، میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب کی سب سے معطر عورت ہے، محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کیا آپ مجھے یہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا: ہاں سونگھ لو، محمدؓ بن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا پھر کہا کیا آپ مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ اور پھر اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں سے کہا: حملہ کر دو اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (۱)

دوسرا یہودی سردار ابورافع سَلَّامُ بْنُ اَبِی الْحُقَیْقِ تھا۔ ابورافع خیبر کے نزدیک ایک قلعے میں رہائش پذیر تھا۔ یہ رئیس التجار و تاجر الحجاز کے لقب سے مشہور تھا۔ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے ابورافع کے قتل کا تفصیلی واقعہ حضرت براء بن عازبؓ (م ۷۲ھ) کی سند سے نقل کیا ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابورافع یہودی (کے قتل) کے لیے چند انصاری صحابہ کو بھیجا اور عبداللہؓ بن عتیک کو ان کا امیر بنایا۔ ابورافع یہودی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کے درپے رہا کرتا تھا اور آپ کے خلاف آپ ﷺ کے دشمن کی مدد کیا کرتا تھا سرزمین حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا اور وہیں وہ رہا کرتا تھا، جب اس کے قلعے کے قریب یہ حضرات پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشی لے

کر واپس اپنے گھروں کو آچکے تھے۔ عبداللہؓ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آپ لوگ یہیں رہیں، میں اس کے قلعے پر جارہا ہوں ممکن ہے دربان پر کوئی تدبیر کارگر ہوجائے اور میں اندر جانے میں کامیاب ہوجاؤں، چنانچہ آپؓ قلعے کے پاس آئے اور دروازے سے قریب پہنچ کر آپؓ نے خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپالیا جیسے کوئی قضائے حاجت کررہا ہو۔ قلعہ کے تمام افراد اندر داخل ہوچکے تھے، دربان نے انہیں بھی قلعے کا آدمی سمجھ کر آواز دی: خدا کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلدی آجاؤ میں اب دروازہ بند کردوں گا۔ عبداللہؓ بن عتیک کا بیان ہے کہ میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اس کی نقل وحرکت کو دیکھنے لگا۔ جب سب لوگ اندر آگئے اس نے دروازہ بند کیا اور کنجیوں کا گچھا کھونٹی پر ٹانگ دیا۔ ان کا بیان ہے کہ اب میں ان کنجیوں کی طرف بڑھا اور انہیں اپنے قبضے میں کرلیا۔ پھر میں نے دروازہ کھول لیا۔ ابورافع کے پاس اس وقت کہانیاں اور داستانیں بیان کی جارہی تھیں۔ وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا، جب داستان گو اس کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کمرے کی طرف چلنے لگا، اس عرصے میں میں جتنے دروازے اس تک پہنچنے کے لیے کھولتا تھا۔ انہیں اندر سے بند کردیا کرتا تھا، اس میں میرا مقصد یہ تھا کہ اگر قلعے والوں کو میرے متعلق معلوم بھی ہوجائے تو اس وقت تک یہ لوگ میرے پاس نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کرلوں۔ آخر میں اس کے قریب پہنچ گیا اس وقت وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سورہا تھا، مجھے کچھ اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کہاں ہے اس لیے میں نے آواز دی: یاابارافع! وہ بولا کون ہے؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی اس وقت میں بہت گھبرایا ہوا تھا اور یہی وجہ ہے کہ میں اس کا کام تمام نہیں کرسکا، وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی ٹھہرا رہا۔ پھر دوبارہ اندر گیا اور میں نے پوچھا ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولا: تیری ماں پر تباہی آئے ابھی ابھی مجھ پر کسی نے تلوار سے حملہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ پھر آواز کی طرف بڑھ کر میں نے تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ اگرچہ میں اسے زخمی تو بہت کرچکا تھا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا، اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی، اب مجھے یقین ہوگیا تھا کہ میں اسے قتل کرچکا ہوں، چنانچہ میں نے ایک ایک کرکے دروازے کھولنا شروع کیے، آخر میں ایک زینے پر پہنچا۔ میں یہ سمجھا کہ زمین کی سطح تک میں پہنچ چکا ہوں، اس لیے میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا حالانکہ میں ابھی اوپر ہی تھا اس لئے نیچے گر پڑا، اس طرح گر پڑنے سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے اسے اپنے عمامے سے باندھ لیا۔ چاندنی رات تھی میں آکر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ آیا میں اسے قتل کرچکا ہوں یا نہیں۔ جب سحر کے وقت مرغ

نے بانگ دی تو اسی وقت قلعے کی فصیل پر ایک پکارنے والے نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت ہوگئی ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا: اب جلدی کرو اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو قتل کرا دیا ہے، چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کی اطلاع دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلاؤ میں نے پاؤں پھیلایا تو آنحضور نے اس پر دست مبارک پھیرا۔ اور اس کی برکت سے پاؤں اتنا اچھا ہوگیا جیسے کبھی اس میں چوٹ آئی ہی نہیں تھی''۔(۲)

مستشرقین نے یہودی سرداروں کے خلاف کاروائی کو بنیاد بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ناروا اعتراضات کئے ہیں اور یہ استدلال کیا ہے کہ مخالفین کو خفیہ طریقے سے قتل کروانا آپ کا معمول تھا اور آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو خفیہ طریقے سے یہودیوں کے قتلِ عام کی اجازت دے رکھی تھی۔ چنانچہ مستشرق ولیم میور (William Muir) (م ۱۹۰۵ء) لکھتا ہے:

> Muhammad accorded a general permission to his followers to slay them (jews) wherever met. (3)

> محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو اس بات کی عام اجازت دے دی کہ وہ یہودیوں کو جہاں بھی پائیں، قتل کر ڈالیں۔

منکرین حدیث، جو عام طور پر مستشرقین ہی کے خوشہ چین ہیں، نے بھی ان روایات کو جن میں یہودی سرداروں کے قتل کے واقعات بیان ہوئے ہیں، من گھڑت قرار دیا ہے۔ ماہنامہ ''طلوع اسلام'' کے اعتراضات ملاحظہ فرمائیں:

> خلفاء بنی امیہ و بنی عباسیہ کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ کبھی کبھی وہ اپنے دشمنوں کو مخفی تدبیروں سے قتل کرا دیا کرتے تھے اور اس کو اپنی بساطِ سیاست کی ایک اچھی چال سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے حامیوں اور حاشیہ نشینوں نے ایسی روایتیں بنائیں کہ اس قسم کے قتل کو رسالت مآب ﷺ کا فعل ثابت کر دیں تا کہ ان سلاطین کو اپنی کاروائیوں کے جواز کی سند مل جائے۔(۴)

پھر ان احادیث کو رد کرنے کی اہم وجہ یہ بیان کی ہے:

> ان مکذوب اور مکروہ روایات کی بنا پر رحمۃ للعالمین ﷺ پر خفیہ قتل کرانے کا الزام وہی شخص رکھے گا جو تنقیدی عقل سے عاری ہو اور راویوں کی دسیسہ کاری اور مقامِ نبوت سے قطعاً نا آشنا ہو۔(۵)

سردارانِ یہود، کعب بن اشرف اور ابورافع کے قتل پر مشتمل واقعات تاریخ و سیر کی مستند کتب کے

علاوہ معتبر کتبِ حدیث میں صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہیں اس لئے ان واقعات کے وقوع کی صحت تو ہر طرح کے شک شبہ سے بالاتر ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان وجوہات کا تعین کریں جن کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے لئے قتل جیسی سنگین سزا تجویز فرمائی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمات پیش فرمائی ہیں ان میں انسانی جان کی حرمت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، اس حوالے سے قرآن کی متعدد آیات کو بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے حوالے سے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ آپ کی صلح اور جنگ صرف اللہ کے لئے تھی۔ سیرتِ نبوی ﷺ سے ایسی درجنوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا اور اپنی ذاتی تسکین کے لئے ان سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ حضرت عائشہؓ (م ۵۸ھ) فرماتی ہیں:

وما انتقم رسول اللّٰہ ﷺ لنفسہٖ الا ان تنتھك حرمة اللّٰہ فینتقم للّٰہ بھا (٦)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جب کہ اللہ کی حرمت مجروح ہو تو پھر اللہ کے لئے انتقام لیتے۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کی جانے والی ان سخت ترین گوریلا کاروائیوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ کعب بن اشرف اور ابو رافع کے حکمِ قتل کے مکمل پس منظر اور سردارانِ یہود پر جو فردِ جرم عائد ہوتی ہے، اس کو سامنے رکھا جائے۔ ذیل کی سطور میں سب سے پہلے ہم اختصار کے ساتھ کعب بن اشرف کا خاندانی پس منظر اور مسلمانوں کے ساتھ اس کے بغض و عناد کا حال بیان کریں گے جو اس کے قتل کا بنیادی محرّک بنا۔

مشہور یہودی سردار اور شاعر کعب بن اشرف کا باپ اشرف قبیلہ ''طے'' سے تھا۔ قتل کا ارتکاب کر کے انتقام کے ڈر سے مدینے چلا آیا اور بنونضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور رسوخ پیدا کیا کہ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق یہودی سردار کی لڑکی عقیلہ سے شادی کی۔ اسی کے بطن سے کعب مذکور پیدا ہوا۔ اس دوطرفہ رشتہ داری کی وجہ سے کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ مال داری کی وجہ سے عرب کے تمام یہودیوں کا رئیس بن گیا۔ اس کو اسلام سے سخت بغض و عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں جب مکی روسا اور سردارانِ قریش مارے گئے اور زید بن حارثہؓ (م ۸ھ) اور عبداللہ بن رواحہؓ (م ۸ھ) مژدۂ فتح لے کر مدینے آئے اور مقتولین بدر کے نام لے لے کر گنانے لگے تو یہ ان کی تکذیب کرتا اور کہتا کہ اگر صنادیدِ قریش مار ڈالے گئے ہیں تو اب زندہ رہنا بے کار ہے، زندگی سے بہتر موت ہے اور جب اس کو ان کے مارے جانے کا یقین آ گیا تو باوجود معاہد ہونے کے تعزیت کے لئے مکہ گیا اور کشتگانِ بدر کے پر درد مرثیے کہے جن میں انتقام کی ترغیب تھی اور کافروں کی تعریف اور عام مسلمانوں کی ہجو تھی، لوگوں کو جمع کر کے نہایت

درد سے مرثیے سناتا خود روتا اور لوگوں کو رلاتا۔ اپنی شاعری کے ذریعے مکہ اور قبائل عرب میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مکہ میں ستر یا چالیس یہودیوں کو لے گیا تا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف قریش مکہ سے معاہدہ کرے، حالانکہ یہود کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا۔ مسلمانوں سے دفاعی معاہدے کی وجہ سے کعب بن اشرف کا اہل مکہ کے پاس جانے کا کوئی جواز نہ تھا، لیکن وہ ابوسفیان کو حرم میں لے کر گیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر معاہدہ کیا کہ ہم ضرور بدر کا انتقام لیں گے۔

مدینے واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں برملا اشعار کہنا اور لوگوں کو آپ اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا، اس نے اپنے اشعار میں مسلمان خواتین کی عزت و ناموس پر ناپاک حملے کئے۔ اس پر بھی کعب نے اکتفا نہ کیا بلکہ قصد کیا کہ چپکے اور دھوکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرادے۔ فتح الباری میں ہے کہ کعب بن اشرف نے کچھ اور لوگوں کے ساتھ مل کر آنحضرت ﷺ کو کھانے کی دعوت میں بلایا اور چند یہودیوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں تو دھوکے سے آپ ﷺ کو قتل کر دیں۔ آپ دعوت میں تشریف لے گئے۔ جبرائیلؑ نے آنحضرت کو اس کی نیتِ بد سے مطلع کر دیا اور آپ کو اپنے پروں سے چھپالیا۔ آپ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے لیکن کسی کو آپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ ﷺ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی اور فرمایا کون شخص کعب بن اشرف کو قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بے حد ایذائیں پہنچائیں۔ محمدؓ بن مسلمہ انصاری (م ۴۳ھ) نے عرض کیا: میں تعمیل حکم کو حاضر ہوں، میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں، ابونائلہ سلکانؓ بن سلامہ بن وقش (جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے)، عبادؓ بن بشر بن وقش (م ۱۱ھ)، حارثؓ بن اوس بن معاذ (م ۳ھ)، اور ابوعبسؓ بن جبر (م ۳۴ھ) کی مدد سے اسے قتل کر دیا۔ (۷) کعب بن اشرف کی اسلام مخالف سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد اس پر جو فردِ جرم عائد ہوتی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ کعب نے نقضِ عہد کیا۔

۲۔ قریش مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برانگیختہ کیا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی اعلانیہ ہجو کی۔

۴۔ مسلم مستورات کی عزت و آبرو پر ناپاک حملے کئے۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دینے کی سازش کی۔

مستشرقین نے بھی کعب بن اشرف کے باغیانہ کردار کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ جناب

ٹار انڈ رائے (Tor Andrae) لکھتے ہیں:

This was the poet Ka,b ibn Al-Ashraf, who, after the battle of Badr, had the audacity to go to Mecca, where he sought to incite the Quraish to revenge by this sarcastic poems. (8)

یہ شاعر کعب بن اشرف ہی تھا جو جنگ بدر کے بعد جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ گیا، جہاں اس نے ہجو پرمبنی اپنے قصیدوں کے ذریعے سے قریش کو انتقام لینے پر برانگیختہ کیا۔

منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) لکھتا ہے:

When he heard the news of Badr, he set out for Mecca, and by his verses helped to rouse the Meccans to greif and anger and the desire for revenge. (9)

جب اس نے میدان بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر سنی تو وہ مکے روانہ ہوا۔ اور اس نے اپنی شاعری کے ذریعے اہل مکہ کو برانگیختہ کیا اور انتقام پر ابھارا۔

اسلامی ریاست اور مسلمانوں کا حلیف ہونے کی حیثیت سے کعب بن اشرف کا اہل مکہ کے پاس جانے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس کا طرزِ عمل اور معاندانہ کردار غداری اور اعلانیہ بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان معاہدے کا اعتراف خود مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) لکھتا ہے:

As allies of the Arab clans the jews were in a sense included in the new community at Medina. There may even have been a direct treaty between some of them and Muhammad. (10)

عرب قبائل کا حلیف ہونے کی وجہ سے یہودی ایک لحاظ سے مدنی معاشرے کا حصہ تھے۔ ممکن ہے ان میں سے بعض کے محمد ﷺ کے ساتھ براہِ راست معاہدے بھی ہوں۔

ولیم مور (William Muir) اسلام دشمنی میں مستشرقین کا امام ہے وہ واضح الفاظ میں تسلیم کرتا ہے کہ ہجرت کے تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک دفاعی معاہدہ طے پا گیا تھا، وہ لکھتا ہے:

No concession was too great that might secure the countenance and allegiance of the jews. Accodringly, not long after his arrival, Mahomet entered into a treaty with

them, which, both offensive and defensive guaranteed their safety and independence. (11)

یہودیوں کی حمایت اور وفاداری حاصل کرنے کی خاطر انہیں کوئی سہولت دینا بھی کوئی خسارے کا سودا نہ تھا، اس لئے محمد ﷺ نے مدینے پہنچنے کے بعد جلد ہی ان سے دفاع اور جنگ کا ایک معاہدہ کیا، جس کے مطابق ان کی آزادی اور سلامتی کی ضمانت دی گئی۔

جسٹس سید امیر علی (م ۱۹۲۸ء) کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

The defeat of the idolaters at Badr was felt as keenly by the jews as by the Meccans.Immediately after this battle a distinguished member of their race, called Ka,b the son of Ashraf, belonging to the tribe of Nazir, publicly deploring the ill-success of the idolaters, proceeded towards Mecca.Finding the people there plunged in grief, he spared no exertion to revive their courage .By this satires against the prophet and his disciples, by his elegies on the Meccans who had fallen at Badr, he succeeded in exciting the koreish to that frenzy of vengeance which found vent on the plains of Ohad. (12)

جنگِ بدر میں بت پرستوں کی شکست یہودیوں کو بھی اتنی ہی ناگوار گزری تھی جتنی اہل مکہ کو، جنگ کے فوراً بعد یہودی قوم کے ایک معزز فرد کعب بن اشرف نے، جو قبیلہ نضیر سے تھا، برسرِ عام کفار کی شکست پر اظہارِ افسوس کیا اور عازمِ مکہ ہوا وہاں اس نے یہ دیکھ کر کہ لوگ غم میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے حوصلے بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ہجو سنا سنا کر اور بدر میں جو اہلِ مکہ قتل ہوئے تھے ان کے مرثیے گا گا کر قریش میں وہ جوشِ انتقام پیدا کیا جو بعد میں میدانِ احد میں ظاہر ہوا۔

کعب بن اشرف کے جرائم کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ﷺ اس کے اور اس کی قوم کے خلاف اعلانِ جنگ فرماتے اور باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث تمام افراد کو قرار واقعی سزا دیتے، لیکن آپ ﷺ نے اعلانِ جنگ کر کے میدانِ جنگ میں علی الاعلان اس سے اور اس کی قوم سے لڑائی کرنے کی بجائے حیلے سے اس کو

قتل کرادیا اور اس کی پوری قوم سے تعرض نہیں فرمایا کیونکہ وہ لوگ اس کے تابع تھے اور اصل سرغنہ یہی تھا۔ اس طرح اس فتنہ گر اور مفسد کا فتنہ وفساد ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

ابو رافع کا معاملہ بھی کعب بن اشرف سے مختلف نہ تھا اگر چہ صحیح بخاری کی روایت، جس کا حوالہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے، میں اس کے جرائم کا بیان بھی موجود ہے، تاہم تاریخ وسیرت کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عزائم انتہائی خطرناک تھے، وہ اسلامی ریاست کے خلاف مسلسل سازشوں میں مشغول تھا اور اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے اسلامی ریاست کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا۔ فتح الباری میں ہے:

انہ کان ممن اعان غطفان وغیرھم من مشرکی العرب بالمال الکثیر علی رسول اللہ ﷺ (۱۳)

یہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف غطفان اور دوسرے مشرکین عرب کی مالِ کثیر سے مدد کی تھی۔

ابو رافع نے غزوہ احزاب میں قبائل عرب کے جنگی اخراجات اور لشکر کی تیاری میں بھرپور تعاون کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احزاب کا ایک بڑا سبب یہی شخص تھا۔ جب اس کی شرانگیزیاں حد سے بڑھنے لگیں تو اس کی ان فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے قبیلہ خزرج کے چند انصار صحابہ کی خواہش پر آپ ﷺ نے عبداللہؓ بن عتیک انصاری (م ۱۲ھ) کی زیر قیادت انصاری صحابہ کرامؓ کا ایک دستہ، جس میں ابو قتادہؓ حارث بن ربعی (م ۴۰ھ)، مسعودؓ بن سنان (م ۱۱ھ)، عبداللہؓ بن اُنیس (م ۵۴ھ)، اور خزاعیؓ بن اسود شامل تھے، روانہ فرمایا۔ اور ان کو یہ حکم دیا کہ کسی عورت اور بچے کو ہرگز نہ قتل کرنا۔ یہ لوگ شام کے وقت خیبر گئے۔ عبداللہؓ بن عتیک یہودیوں کی زبان سے واقف تھے۔ عبداللہؓ بن عتیک نے بہانے سے دروازہ کھلوا کر اس کو قتل کر دیا۔ (۱۴)

سید امیر علی (م ۱۹۲۸ء) ابو رافع کے باغیانہ کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

Another jew of the Nazir,Abu Rafe Sallam, son of Abu,l Hukaik, was equally wild and bitter against the muslamans.He inhabited,with the fraction of histribe,the territories of Khaiber, four or five days'journey to the north-west of Madina. Detesting Mohammad and the muslamans,he made use of every endeaivour to excite the neighbouring Arab Tribes,such as the Sulaim and the

Gatafan against them. (15)

بنونضیر کا ایک اور یہودی ابورافع سلام بن ابی الحقیق بھی مسلمانوں کا انتاہی جانی دشمن تھا۔ وہ اپنے قبیلے کی ایک شاخ کے ساتھ خیبر کے علاقے میں رہتا تھا جو مدینے کے شمال مغرب کی طرف چار پانچ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اسے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے اتنی نفرت تھی کہ اس نے ہمسایہ عرب قبائل مثلاً سلیم اور غطفان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں ہر طرح کے جتن کئے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (م ۱۹۹۸ء) ابورافع کی فتنہ انگیزیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سلام بن ابی الحقیق ان لوگوں میں سے تھا جن کی کوششوں اور ترغیب سے مکہ کے قریش اور عرب کے دیگر قبائل نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تھی اور مسلسل کئی روز تک مدینi کا محاصرہ کئے رکھا تھا۔ یہ لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ سلام بن ابی الحقیق نے جنگِ خندق میں لشکرِ کفار کی عبرت ناک شکست کے بعد بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی معاندانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور قبائل عرب کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھڑکاتا رہا۔ اس کی یہ کارروائیاں ریاستِ مدینہ کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ تھیں اور جو دشمن مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتا ہے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ بھی اس کے خلاف جنگ کریں۔ حضور ﷺ نے اس کی پوری قوم پر عام حملہ کرنے کی بجائے چند صحابہ کرامؓ کو بھیج کر اس بدبخت کو قتل کروادیا، تاکہ زیادہ خون خرابہ نہ ہو۔ سلام بن ابی الحقیق نے خود جو راستہ اپنایا تھا اس کا انجام وہی ہوسکتا تھا جو ہوا۔ مجرم کو جرم کی سزا ملے تو اس انجام کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے نہ کہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کرنے والے۔ (۱۶)

سیرت، تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے جو حقائق سامنے آتے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ ابورافع:

۱۔ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو اذیتیں پہنچاتا تھا۔

۲۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ اور دیگر قبائل عرب کو برانگیختہ کرتا تھا۔

۳۔ اس نے بنوغطفان اور بنوسلیم کی مسلمانوں کے خلاف مالی امداد کی تاکہ سامانِ رسد کی قلت نہ ہو۔

۴۔ غزوۂ احزاب یعنی خندق کی لڑائی کا بڑا سبب یہی شخص تھا۔

یہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے نبی ﷺ نے اعلانِ جنگ کر کے میدانِ جنگ میں اس سے اور اس

کی قوم سے لڑائی کرنے کی بجائے چند جان نثاروں کو بھیج کر اسے قتل کروادیا اور فتنے کی جڑ کٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے باقی یہودی قوم سے تعرض نہیں فرمایا۔

سردارانِ یہود کے خلاف خفیہ کاروایوں کی حکمت

مستشرقین کا سردارانِ یہود کے قتل پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ محمد ﷺ کا عام اصول یہ تھا کہ وہ اپنے مخالفین کو دھوکے سے قتل کروادیا کرتے تھے، اگرچہ گزشتہ سطور میں ہم اس اعتراض پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں، تاہم یہاں ہم مشہور مستشرق جناب لین پول (Lane Poole) کا ایک اقتباس درج کریں گے، جس میں موصوف نے یہودی سرداروں کے خلاف اسلامی ریاست کی طرف سے کی گئی خفیہ کاروائی کے حق کو نہ صرف بالکل درست تسلیم کیا ہے بلکہ اسے معروضی حالات میں بہترین حکمتِ عملی بھی قرار دیا ہے، چنانچہ لین پول لکھتے ہیں:

> The reason is almost too obvious to need explanation. As there was no police ,or law-court, or even court martials, at Medina, some of thefollowers of Muhammad had therefore to be the executor of the death dentence, and it was better. This should be done quietly, as the execution of a man openly before his clan would have caused a brawl and more bloodshed and retaliation, till the whole city would have become mixed up in quarrel. If secret assasinations is the word for suchdeeds, secret assasinations was the necessary part of the internalgovernment of Medina. (17)

اس کی وجہ اس قدر واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ چونکہ مدینے میں نہ کوئی پولیس تھی، نہ عام قانونی عدالتیں اور نہ ہی فوجی عدالتیں، اس وجہ سے محمد ﷺ کے کچھ پیروکاروں کو ہی سزائے موت نافذ کرنا پڑتی تھی اور یہی بہتر تھا۔ یہ کام خاموشی سے انجام پانا چاہیے تھا، کیونکہ کسی شخص کو اس کے قبیلے کے سامنے سرعام سزائے موت دینا زیادہ نزاع، خون ریزی اور انتقام کا باعث بنتا، حتیٰ کہ پورا شہر اس میں ملوث ہو جاتا۔ اگر اس طرح کی کارروائیوں کو خفیہ قتل کا نام دیا جائے تو خفیہ قتل مدینے کے اندرونی نظام حکومت کا ایک لازمی حصہ تھا۔

جسٹس سید امیر علی (م ۱۹۲۸ء) عہدِ رسالت ﷺ میں کی گئی اس نوعیت کی گوریلا کاروائیوں کی وجہ جواز

بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Christian controversialists have stigmatised these executions as "assassinations." And because a Moslem was sent secretly to kill each of the criminals, in their prejudice against the Prophet, they shut their eyes to the justice of the sentence, and the necessity of a swift and secret execution. There existed then no police court, no judicial tribunal, nor even a court-martial, to take cognisance of individual crimes. In the absence of a State executioner any individual might become the executioner of the law. These men had broken their formal pact; it was impossible to arrest them in public, or execute the sentence in the open before their clans, without causing unnecessary blood-shed, and giving rise to the feud of blood, and everlasting vendetta. The exigencies of the State required that whatever should be done should be done swiftly and noiselessly upon those whom public opinion had arraigned and condemned."(18)

عیسائی مناظرین نے اسے دغابازانہ قتل سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ اس سزا کی انجام دہی کے لئے مسلمان خفیہ طور پر بھیجے گئے تھے اس لئے وہ آنحضرت ﷺ سے تعصب کی بنا پر اس سزا کے مبنی برعدل ہونے اور اس کے عاجلانہ اور خفیہ طور پر انجام دیئے جانے کی ضرورت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس وقت انفرادی جرموں کی سزا دینے کیلئے کوئی پولیس کورٹ یا فوجداری عدالت بلکہ فوجی عدالت بھی نہ تھی۔ چونکہ کوئی سرکاری جلاد نہ تھا اس لئے حکومت کی طرف سے سزا دینے کا اختیار کسی فرد کو ہی دیا جا سکتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں نے ایک باضابطہ معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی، انہیں نہ برسرِعام گرفتار کیا جا سکتا تھا، نہ ان کے قبیلوں کے سامنے سزائے قتل دی جا سکتی تھی، کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو احتمال تھا کہ شدید خون ریزی ہوتی اور ثار یا انتقامِ خون کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مملکت کی مصلحتوں کا تقاضا تھا کہ ان لوگوں کے خلاف جنہیں رائے عامہ مستحق سزا قرار دے چکی تھی، جو کچھ بھی کرنا تھا وہ فی الفور اور خاموشی سے کیا جائے۔

لین پول (Lane Poole) اور سید امیر علی کے مذکورہ بالا تجزیے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس قسم

کے معاہدہ شکنوں اور اعلانیہ غداروں کے خلاف معروضی حا ۔ میں اس چارہ جوئی کو سفا کی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ بہرحال مستشرقین کے ان اعتراضات کے تحقیقی جائزے سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ اعتراضات بھی دراصل اسی مخالفانہ مہم کی کڑی ہیں جو یہود و نصاریٰ کی طرف سے اسلام اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ چلائی جاتی رہی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے یہودی سرداروں کے خلاف گوریلا کاروائی کی جن اخلاقی اور سیاسی وجوہات کا ذکر کیا ہے، اگرچہ وہ معترضین کے جواب میں کافی ہیں، تاہم ہماری رائے میں یہودی سرداروں کے خلاف کارروائی کی ایک بڑی وجہ ''مذہبی'' بھی ہے اور شاید اسے ہی سب سے بڑی وجہ قرار دینا مناسب ہے۔ تاریخِ نبوت کے مطالعے سے یہ بات بطور اصول کے واضح ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کسی قوم کی طرف مبعوث فرماتا ہے تو اس قوم پر اس کی اطاعت لازم ہوجاتی ہے اور اگر وہ قوم حق قبول کرنے کی بجائے کارِ نبوت کی انجام دہی میں مزاحم ہورہی ہو تو اتمامِ حجت کے بعد اس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ جو لوگ اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ کے لئے چیلنج بن رہے ہوں قرآن نے ان کے لئے یہ سزا تجویز کی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۹)

ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہے کہ گن گن کر قتل کردیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں، یا ملک سے نکال دیئے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں تو ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

یہ اصول جس طرح قوموں کے لئے ہے اسی طرح افراد کے لئے بھی ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر قومِ یہود اور خاص طور پر سردارانِ یہود کے کردار کا مشاہدہ کیا جائے تو ان کے خلاف اس کاروائی کا مذہبی اور دینی جواز بالکل واضح ہوجاتا ہے، کیونکہ یہودی قوم پر حاملِ وحی ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ کی صداقت زیادہ واضح تھی لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ ان کے سردار میثاقِ مدینہ کو عملی طور پر توڑنے کی وجہ سے اسلامی ریاست کے لئے چیلنج بن گئے تھے اس لئے ان لوگوں کے خلاف سخت کاروائی دینی نقطۂ نظر سے آیتِ محاربہ کی رو سے لازم ہوچکی تھی۔

حوالہ جات

۱۔ مسلم بن حجاج بن مسلم القشیریؒ، الامام ابوالحسین، (۲۰۴۔۲۶۱ھ) الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب قتل کعب بن الاشرف طاغوت الیہود، ح:۴۶۶۴، ص:۸۰۳ (دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ء) ابوداؤدؒ، سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی السجستانی، (۲۰۲۔۲۷۵ھ) السنن، کتاب الجہاد، باب فی العدو یؤتی علی غرۃ یتشبہ بھم، ح:۲۷۶۸، ص:۴۰۳ (دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء) بخاریؒ، محمد بن اسماعیل، (۱۹۲۔۲۵۶ھ) الصحیح، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف، ح:۴۰۳۷، ص:۷۲۹ (دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء)

۲۔ بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی رافع عبداللہ بن أبی الحُقَیق، ح:۴۰۳۹، ۴۰۴۰، ص:۸۳۰۔۸۳۱

3. William Muir(1905 A.D) "Life of Mohamet", (John grant Edinburgh, 1923), p:249

۴۔ ماہنامہ ''طلوعِ اسلام''، دہلی، ص:۱۲، ماہ فروری ۱۹۴۰ء، ج:۳، ش:۲

۵۔ ایضاً

۶۔ مالک بن انسؒ، الامام، (م ۹۳۔۱۷۹ھ) ''المؤطا''، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق، ح:۶۹۰، ص:۵۵۵۔ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۸ء)

۷۔ واقعات کی مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

ابن حجر العسقلانیؒ، احمد بن علی، (۷۷۳، ۸۵۲ھ) فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف، ۷/۳۳۷۔۳۴۰، موسسۃ مناہل العرفان، بیروت

العینیؒ، بدرالدین، علامہ، (م ۸۵۵ھ)۔ عمدۃ القاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف، ۹/ ۱۳۱۔۱۳۴، (دارالفکر، بیروت)

النوویؒ، محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف، الامام، (۶۳۱، ۶۷۶ھ) ''المنہاج''، (شرح صحیح مسلم)، کتاب الجہاد والسیر، باب قتل کعب بن الاشرف، ۱۲/۱۶۰۔۱۶۲ (مؤسسۃ مناھل العرفان، بیروت)

ابن سعدؒ، ابوعبداللہ محمد، (۱۶۸، ۲۳۰) ''الطبقات الکبریٰ''، سریۃ کعب بن الاشرف، ج۱، ص ۲۶۵۔ دارصادر، بیروت

ابن ہشام، ابومحمد عبدالمالک، (م ۲۱۸ھ) ''السیرۃ النبویۃ''، مقتل کعب بن الاشرف، ۲/۵۰۲، (داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1995ء)

السہیلی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ، (م ۵۸۱ھ) ''الروض الانف''، ۳/۲۳۰۔۲۳۷، (دارالکتب

العلمیۃ، بیروت)

ابن کثیرؒ، ابوالفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱، ۷۷۴ھ) البدایۃ والنہایۃ، مقتل کعب بن الاشرف الیہودی، (سنۃ ۳ھ)، ۶/۴ (دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۱ء)

ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد (م ۴۶۳ھ) ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر''، ص: ۱۵۲۔ ۱۵۵، (موسسۃ علوم القرآن، دمشق۔ بیروت، ۱۹۸۴ء)

8. Tor Andrew. "Mohammad The Man And his Faith", P:147 (Translated byTheophil Menzel) Herper & Brothers,New York,1960.

9. Watt,Montgomery. "Muhammad At Medina", p:18 ,(Oxford Press London,1956)

10. Montgomery Watt "Muhammad, Prophet and statusman", p:98 ,(Oxford univercity press,1961)

11. William Muir(1905 A.D) "Muhammad and Islam", p:70

12. Ameer Ali,Syed (1928 A.D) "The Spirit Of Islam", p:73 (Sajjid Book Depot,Urdu Bazar,Lahore,1986)

۱۳۔ فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل أبی رافع عبداللہ بن أبی الحُقَیق، ۳۴۲/۷۔ ۳۴۵

۱۴۔ واقعے کی مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

عمدۃ القاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی رافع عبداللہ بن أبی الحُقَیق، ۱۳۴/۹۔ ۱۳۵

طبقاتِ ابنِ سعد، سریۃ عبداللہؓ بن عتیک، ۲۹۵/۱

البدایۃ والنہایۃ، قتل ابی رافع الیہودی، (سنۃ ۵ھ)، ۱۴۸/۴۔ ۱۵۲ ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر''، ص: ۲۰۹۔ ۲۱۱

15. "The Spirit of Islam", p:73

۱۶۔ ''ضیاء النبی''، ۶۰۹/۷۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۸ھ

17. Stanly Lane- Poole "Studies in a mosque",p:67 ,(Khayats Beriut 1966.)

18. The Spirit of Islam ,p:74

۱۹۔ المائدہ، ۳۳/۵

دار العلم والتحقیق برائے اعلیٰ تعلیم و ٹیکنالوجی

زیر اہتمام مولانا سید زوار حسینؒ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ادارے کے تحت ابتدائی طور پر یہ خدمات شروع کی جارہی ہیں

- تحقیقی لائبریری
- مرکزِ تحقیق
- اہم موضوعات پر اہل علم اور محققین کے خصوصی محاضرات (لیکچر)
- مطالعۂ اسلام کے حوالے سے مختلف کورس

فوری ضروریات

لائبریری کے لئے گنجائش کم ہونے کی وجہ سے پہلی منزل پر ہال کی تعمیر جس کی تخمینہ لاگت ۲۵ لاکھ روپے ہے۔

تمام اہل علم واہل خیر حضرات سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں، تجاویز اور عطیات (خصوصاً عطیۂ کتب) کے ذریعے اس علمی ودینی کام میں شرکت فرمائیں۔

برائے رابطہ

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔فون: ۶۶۸۴۷۹۰

E-mail:syed.azizurrahman@gmail.com

www.rahet.org

مولانا سید زوار حسین اکیڈمی ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 9-1495 نیشنل بینک آف پاکستان

(بی آئی ایس ای برانچ)۔کراچی

منٹ گمری واٹ بطور سیرت نگار

مدثر حسین سیان ☆

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مستشرقین کے موقف کی تشکیل ایک ایسے دینی دائرے کے اندر ہوتی ہے جس میں قومی تعصب، عدم واقفیت، بغض و کینے اور نفرت و کدورت کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو کچھ ہرزہ سرائی کی ہے اسے بطور استشہاد پیش کرنے کے لئے بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور قلم میں لرزش پیدا ہوتی ہے، مگر نقل کفر کفر نہ باشد کے بہ موجب ان کے بعض ہفوات نقل کرنا گزیر ہیں۔ اس لئے ہم آئندہ صفحات میں منٹ گمری واٹ کی جانب سے آنحضور ﷺ کی شخصیت پر لگائے گئے الزامات کا علمی محاکمہ کریں گے۔ یہ وہ مستشرق ہے جس کے بارے میں ایک عمومی رائے یہ ہے کہ یہ غیر جانب دار مستشرق ہے، یہ بھی محض قیاس آرائی ہے، ورنہ درون پردہ اس نے بھی اسی طرح حضور ﷺ پر الزام تراشی کی ہے جس طرح مستشرقین کا عمومی رویہ ہے۔

مستشرقین اور سیرت رسول ﷺ

مستشرقین نے ہر اس چیز کے خلاف اپنی فکری، عملی، قولی اور فعلی، ذہنی اور قلبی صلاحیتیں صرف کیں جس کا تعلق اسلام سے تھا۔ جو چیز قلعہ اسلام کے لئے جتنی ناگزیر تھی وہ اسی شدت کے ساتھ مستشرقین کی فتنہ انگیزیوں کا نشانہ بنی۔ انہوں نے قرآن حکیم کے خلاف دل کھول کر نشتر زنی کی۔ احادیث مبارکہ سے امت کے اعتماد کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور تعلیمات اسلام کو اس انداز میں پیش کیا کہ جو بھی دیکھے کراہت محسوس کرے۔ اسلام میں جو چیز بالخصوص مستشرقین کے حملے کا نشانہ بنی وہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ تھی۔ حالانکہ یہ سیرت مبارکہ روزِ روشن کی طرح تھی اور ابوسفیان باوجود دشمن ہونے کے ہر قل کے دربار میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکا جو جھوٹی ہو۔ وہ کافر ضرور تھا لیکن اس کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض تھا۔ اس لئے وہ جھوٹ نہ بول سکا اور کفار مکہ آپ ﷺ سے شدید عداوت رکھنے کے باوجود آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔

☆ لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج پنڈی گھیب۔ اٹک

مستشرقین ان سب حقیقتوں سے آشنا ہونے کے باوجود روایتی تعصب اور تنگ نظری سے دامن نہ چھڑا سکے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے دامن کو داغ دار کرنے کے لئے مختلف انداز اختیار کئے، کبھی آپ کو اپنے ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کرداروں کی شکل میں پیش کیا، کبھی آپ کے جسم مبارک کو جہنم کے پست ترین درجوں میں دکھایا، غرض کہ جو بھی اخلاقی برائی کسی شخص میں ہوسکتی تھی (نعوذ باللہ) آپ کو اس میں گرفتار دکھایا گیا۔

مستشرقین کی سیرت نویسی کا یہ انداز قرون وسطیٰ میں عام تھا اور آج بھی مکمل ختم نہیں ہوا۔ سلمان رشدی نے Satanic Verses اسی انداز میں لکھی جس انداز میں قرون وسطیٰ کے مستشرقین حضور ﷺ کے متعلق لکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی عظمت اور صداقت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ کے دشمن آپ کے خلاف کبھی کسی الزام پر متفق نہیں ہوسکے۔ ایک مستشرق نے آپ کے خلاف جو الزام تراشا دوسرے مستشرق نے اس کی تردید کی، ایک دشمن نے حضور ﷺ کے کردار کو مجروح کرنے کے لئے شوشہ چھوڑا تو کسی دوسرے دشمن نے اس کو بے بنیاد قرار دیا۔ تاہم جو لوگ حضور ﷺ کے خلاف لگائے جانے والے کسی الزام کی تردید کرتے ہیں وہ خود کوئی دوسرا الزام، اس پہلے سے بھی زیادہ ہولناک اور بے بنیاد تراش کر حضور ﷺ کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مستشرقین سیرت نگاروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو الزام تراشیاں کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضور ﷺ خاندان بنی اسماعیل سے نہ تھے۔

۲۔ بنو ہاشم کے مرتبے کو گھٹانے کی کوشش۔

۳۔ آنحضور ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے، لیکن مدینے میں جا کر جب زور قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتاً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے۔

۴۔ حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) مرگی کا مریض قرار دینا۔

۵۔ کثرت ازواج اور میل الی النساء۔

۶۔ مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے وغیرہ۔ (۱)

حیات منٹ گمری واٹ

ولیم منٹ گمری واٹ ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو اسکاٹ لینڈ کے قصبے فی فی (FiFi) کے نواحی گاؤں سیرلیس

(Ceres) میں ڈیوڈ اینڈ ریو واٹ اور میری برنز کے ہاں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم لانرک شائر اور ایڈن برگ سے حاصل کی بعد ازاں وہ یونیورسٹی آف ایڈن برگ (۳۰۔۱۹۲۷ء) اور ۳۳۔۱۹۳۰ء Balliol کالج، آکسفورڈ میں زیر تعلیم رہا، اور لاطینی اور یونانی کے کلاسیکی ادب اور فلسفے میں ڈگریاں حاصل کیں۔

۳۸۔۱۹۳۴ء کے دوران واٹ یونیورسٹی آف ایڈن برگ میں اخلاقی فلسفے کے اسٹنٹ لیکچرر کے طور پر کام کرتا رہا، اسی دوران اس کی دلچسپی اسلام کی مسیحی تعبیر کی طرف ہوگئی۔ اور یونیورسٹی آف ایڈن برگ سے تحصیل علم کے بعد یروشلم کے انجلیکن بشپ کے اسٹاف میں اسلامی علوم کے ماہر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۴۴ء میں ایڈن برگ یونیورسٹی سے ''آزادی رائے اور تقدیر، ابتدائے اسلام میں'' کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۷۹۔۱۹۴۷ء میں انہیں پروفیسر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ بعد ازاں اسے پروفیسر آف ایمریٹس (تاحیات پروفیسر) کے خطاب سے نوازا گیا۔

۱۹۸۱ء میں یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، لاس اینجلس نے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں (Levi Della Vida) میڈل دیا ۱۹۴۳ء منٹ گمری واٹ نے جین میکڈونلڈ سے شادی کی اور ان کے ہاں ۵ بچوں کی ولادت ہوئی۔ جب کہ واٹ کے پوتے پوتیوں کی تعداد ۹ ہے۔

منٹ گمری واٹ نے تیس کتابیں اور ۱۵۰ سے زائد تحقیقی مضامین لکھے، اس کی خصوصی دل چسپی کا مرکز نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات تھی، اور اس دلچسپی کی بنا پر اس نے محمد ایٹ مکہ، محمد ایٹ مدینہ اور محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین جیسی کتب تصنیف کیں۔

۱۹۸۸ء میں اس کی کتاب History from the Quran منظر عام پر آئی۔ اس کی دلچسپی کا دوسرا اہم موضوع اسلامی مکاتب فکر کی ابتدائی تاریخ تھا، اس موضوع سے دلچسپی پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کو لکھتے وقت پیدا ہوئی۔

منٹ گمری واٹ کے چند اہم تحقیقی مضامین درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلامی فکر کا ابتدائی دور ۲۔ اسلامی فلسفہ اور الٰہیات ۳۔ مذاہب کی سچائی

۴۔ اسلام کے سیاسی افکار ۵۔ اسلام کیا ہے

ازمنہ وسطٰی کے یورپ پر اسلام کے اثرات، اسلامی بنیاد پرستی اور جدیدیت، عصر حاضر میں اسلام اور مسیحیت، ابتدائی اسلام، منتخب مضامین، مسلم، مسیحی جنگیں مفروضے اور حقائق مذکورہ مضامین کے علاوہ منٹ گمری واٹ نے متعدد اہم مضامین پر رقم طرازی کی ہے۔ (۲)

ان کے مضامین ایسے جرائد میں نکلتے رہے جو مسلمانوں کی راسخ العقیدگی کے حامل ہیں، انڈین

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی میں قرآن پاک کی دوسری بین الاقوامی کانگریس جو دسمبر ۱۹۸۲ء میں ہوئی تھی، تو وہ بھی اس میں مدعو تھے اوران کی بعض آرا کے حوالے بھی تقریروں میں سننے میں آئے، ان کی تصانیف کی شہرت تو سنی تھی، لیکن پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا، ان کی تصانیف خاص طور پر حاصل کیں، ان کا مطالعہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ وہ انہیں مستشرقین سے ہیں، جو انتہائی زہریلی باتیں اپنے طاقت وراور ماہرانہ انداز میں کہہ کر اپنی مطلب برآوری کی کوشش کرتے ہیں۔

منٹ گمری واٹ کی کتب کے مصادر اوران کا جائزہ

ان کی کتابوں کے ماخذوں پر نظر پڑی، اس میں زیادہ تر اہرنیس، رچرڈبل، بوہل، کائتانی، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، گولڈزیہر، جسقری، کینس، نکلسن، نولڈیکی، سیل اینڈ وہری، ٹوری، ولہازن اور وسط وغیرہ کے نام ملے، بخاری کا ذکر ضرور ہے لیکن اس سے مدد فرانسیسی ترجمے سے لی گئی ہے۔ قرآن مجید کو رچرڈبل کے ترجمے سے سمجھا گیا ہے۔ ازرقی کی کتاب اخبار مکہ کا سہارا جرمن اسکالر وسٹن منلڈ سے لیا گیا ہے۔ ابن ہشام کی کتاب سیرت رسول اللہ ﷺ، ابن سعد کی طبقات، طبری کی تاریخ الرسل والملوک اور واقدی کی کتاب المغازی کا ذکر ضرور کر دیا گیا ہے۔ مگر یورپی مصنفین کی کتابوں کے حوالے اس کثرت سے ہیں کہ عربی کی تصانیف دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ (۳)

یورپ اور امریکہ کے فضلا نے تحقیق وتدقیق کا یہ معیار قائم کر رکھا ہے کہ اس میں معاصر اور قریب تر زمانے کے ماخذوں کے حوالے دے کر اس کو مستند اور وقیع بنایا جائے۔ ترجمے کے حوالوں سے اس کا پایہ گر جاتا ہے۔ پھر بہت بعد کے مصنفوں کے حوالوں سے تحقیقی تحریر ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔ لیکن واٹ نے زیادہ تر انیسویں اور بیسویں صدی کے مصنفوں کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اوران ہی کا سہارا لیا ہے جن سے ان کی نیت کے کھوٹ کو مدد پہنچ سکتی ہے اور پھر عربی کی اصل کتابوں کے حوالے کے بجائے ان کے تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی کتابوں کی وقعت بڑی حد تک گر جاتی ہے۔

آئندہ سطور میں ہم مستشرقین کی طرف سے حضور ﷺ کی شخصیت پر لگائے گئے الزامات اور اس حوالے سے منٹ گمری واٹ کے نقطہ نظر کا جائزہ لیں گے۔

حضور ﷺ کا نسل اسماعیل سے نہ ہونا

مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

۱۔ عرب بائدہ: یعنی وہ قدیم عرب قبائل اور قومیں جو بالکل ناپید ہو گئیں، مثلاً عاد، ثمود، طسم، جدیس،

عمالقہ

۲۔عرب عاربہ: وہ عرب قبائل جو یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے

۳۔عرب مستعربہ: وہ عرب قبائل جو حضرت اسماعیل کی نسل سے ہیں انہیں عدنانی عرب کہتے ہیں۔

قریش اس عربی نسل کا نمایاں اور ممتاز قبیلہ تھا جس کی ایک معزز شاخ بنو ہاشم تھی۔(۴)

سارے عرب قبائل قریش کا احترام کرتے تھے۔اس احترام کی وجہ یہ تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اور کسی کو قریش کے نسل اسماعیل میں سے ہونے کے بارے میں شک نہ تھا۔

تاہم مستشرقین میں سے ولیم میور نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا کہ آنحضرت ﷺ خاندان اسماعیل سے نہ تھے۔حضور ﷺ کو نسبی وجاہت اور خاندانی عظمت کی آرزو پیدا ہوئی تو آپ نے اپنے سلسلہ نسب کو ابراہیم کے ساتھ جوڑنے کی تدبیریں کیں۔

اس مفروضے کو واٹ نے زیادہ زور سے اچھالا ہے۔اس کا ایک طویل اقتباس پیش خدمت ہے تاکہ سمجھا جائے کہ مستشرقین کس طرح کسی بے بنیاد بات کو ثابت کرنے کے لئے افسانے تراشتے ہیں۔

Abraham is simply one of many Prophets, and the people to whom he is sent are not specified; indeed, it seems to be implied that he was not sent to the Arabs, since Muhammad (SAW) is said to be sent to a people who had never had a warner. Likewise there is no mention of any connexion of Abraham and Ishmael with the Ka'bah. Ishmael is named in lists of Prophets, but no details are given about him. The presumption is that at first the Muslims did not know about the connexion of Ishmael with Abraham and (according to the Old Testament) with the Arabs. At Medina, however, in closer contact with the Jews they gained knowledge of such matters.(5)

حضرت ابراہیم کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ بہت سے پیغمبروں میں سے ایک ہیں اور جس قوم کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے اس کا ذکر نہیں ہے۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ عربوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے جس کے پاس پہلے کبھی کوئی نبی نہیں آیا تھا،اسی طرح ابراہیم واسماعیلؑ کے کعبے کے ساتھ تعلق کا بھی کوئی ذکر نہیں۔خیال یہ ہے کہ ابتدا

میں مسلمانوں کو علم نہ تھا کہ حضرت اسماعیلؑ کا حضرت ابراہیمؑ سے تعلق کیا ہے اور وہ اس بات کو بھی نہیں جانتے تھے کہ حضرت اسماعیلؑ کا عربوں سے کیا تعلق ہے۔ مدینے میں یہودیوں کے ساتھ رابطے کی وجہ سے ان کو ان چیزوں کا علم ہوا۔

منٹ گمری یہ کہنا چاہتا ہے کہ عربوں کو اپنے حافظے پر ناز تھا۔ اپنے نسب نامے یاد کرنا اور انہیں فخر سے پیش کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اگر وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہوتے تو لازماً یہ بات ان کی قومی روایات میں ہوتی۔ ان کی روایات میں ابراہیم و اسماعیلؑ کا ذکر نہ ہونا اور مکی سورتوں میں بھی اس تعلق کا موجود نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے پاس ان ہستیوں کے ساتھ اپنے تعلق کو ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں، کیونکہ انہوں نے یہ باتیں یہودیوں سے سیکھی ہیں اور یہودیوں اور ان کی کتابوں کو مسلمان قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

ہم واٹ کے اس اعتراض کا جواب بجائے مسلمانوں کی کتابوں کے ایک مستشرق کے حوالے سے دیتے ہیں: انسائی کلو پیڈیا آف ایتھکس اینڈ ریلیجن (Encyclopaedia of Ethics and Religion) کا مقالہ نگار Chronicle of Sebeos کے حوالے سے لکھتا ہے:

He was an Ishmaelite, who taught his countrymen to return to the religion of Abraham and claim the Promises made to the descendants of Ishmael. (6)

حضرت محمد ﷺ ایک اسماعیلی تھے۔ جنہوں نے اپنے ہم وطن لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ دین ابراہیمی کی طرف رجوع کریں اور ان خدائی وعدوں سے بہرہ یاب ہوں جو نسل اسماعیل سے کئے گئے ہیں۔

منٹ گمری واٹ نے حضور ﷺ کے اسماعیلی النسل ہونے کی حقیقت کو مشکوک کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ عربی روایتوں کے خلاف ہے بلکہ خود مغربی مؤرخین کی تحقیقات کے خلاف ہے۔ مستشرقین حضور ﷺ کے اس ارشاد کو جھٹلا نہیں سکتے۔ السنن الترمذی میں حضور کا ارشاد ہے۔ واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل و اصطفى كنانة من بني اسماعيل و اصطفى من بني كنانة قريشاً و اصطفىٰ من قريش بني هاشم و اصطفاني من بني هاشم (۷)

حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو چنا، اولاد اسماعیل سے

کنانہ کو چنا، بنی کنانہ سے قریش کو چنا، قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے چنا۔

خاندان بنو ہاشم کا مقام گھٹانے کی کوشش

مستشرقین نے حضور ﷺ کے خاندان کو دوسرے قریشی خاندانوں سے نیچا دکھانے کے لئے اپنے تخیل کے زور پر قریش کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک طرف قبیلے کی وہ شاخیں تھیں جن کے ہاتھوں میں مکہ کا اقتدار تھا، مکہ اور طائف کی تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی۔ دوسری طرف اس قبیلے کی کچھ شاخیں وہ تھیں جو کمزور تھیں، یہ قبیلے اس قابل نہ تھے کہ وہ شام یا یمن کی طرف تجارتی قافلے بھیج سکتے۔ واٹ کے مطابق قبیلہ بنو ہاشم کا شمار انہیں کمزور قبائل میں ہوتا تھا اور مکے کے طاقت ور اور دولت مند قبائل کے مقابلے میں قبیلہ بنو ہاشم کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

واٹ نے قبیلہ بنو ہاشم کی حالت کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

Muhammed's guardians saw that he did not starve to death, but it was difficult for them to do more for him, especially as the fortunes of the clan of Hashim seem to have been declining at this time. An orphan, with no able-bodied man to give special aattention to his interests, had a poor start in a commercial career; And that was realy the only career open to him. (8)

محمد کے سرپرست صرف یہ احتیاط کرتے کہ وہ بھوک سے نہ مر جائیں اس سے زیادہ وہ ان کے لئے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ خصوصاً جب کہ اس زمانے میں بنو ہاشم کی مالی حالت گرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایک یتیم جس کے مفادات کی دیکھ بھال کے لئے جسمانی طور پر اہل کوئی آدمی موجود نہ تھا، اس نے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز انتہائی کمزور طریقے سے کیا اور یقیناً اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

منٹ گمری واٹ قبیلۂ بنو ہاشم کے تمام افراد کو غریب اور دوسرے درجے کا شہری ثابت کرنے کے لئے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں یوں رقم طراز ہے:

As a banker and financier, doubtless in a small way, and purveyor of water for the pilgrims, he had little importance in the affair of Mecca, and life there cannot have been very comfortable for him. (9)

ایک چھوٹے پیمانے کا بنکار ہونے اور حاجیوں کو پانی پلانے کے عہدے پر فائز ہونے کے

باوجود اس میں شک نہیں کہ مکہ کے معاملات میں عباس کی اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی اور یہ کہنا مشکل ہے کہ وہاں پرسکون زندگی بسر کررہے ہوں گے۔

- واٹ ساتویں صدی عیسوی کے مکہ کی تصویر کشی ان الفاظ میں کرتا ہے:

By the time Muhammad had begun to preach, the growing commercial prosperity of Mecca may be said to have produced a new topmost stratum of society, namely, the leading, richest and most powerful merchants.....This stratum was almost solidly opposed to Muhammad.(10)

جس زمانے میں محمد ﷺ نے اپنے دین کی تبلیغ شروع کی اس زمانے کے متعلق یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مکہ کی بڑھتی ہوئی تجارتی خوش حالی نے ایک نیا اعلیٰ طبقہ مکے کی سوسائٹی میں پیدا کردیا تھا یعنی انتہائی امیر اور طاقتور تاجروں کا طبقہ...... یہ تقریباً سارا طبقہ محمد ﷺ کا مخالف تھا۔

اس قسم کی تحریروں کا مقصد یہ ہے کہ وہ (مستشرقین) تحریک اسلامی کو طبقاتی کشمکش سے جنم لینے والی تحریک قرار دے سکیں اور یہ ثابت کرسکیں کہ مکے والوں نے حضور ﷺ کی جو مخالفت کی اس کی وجہ مذہبی اور نظریاتی اختلاف نہ تھا بلکہ مکہ کے امیر اور غریب طبقے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام جو اس سرعت سے پھیلا کہ چند سالوں میں پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گیا اس کی وجہ اسلامی تعلیمات کی کشش اور پیغمبر اسلام ﷺ اور صحابہ کرام کے کردار کی پختگی نہ تھی بلکہ یہ تو ایک ایسا انقلاب تھا جس کے لئے حالات انتہائی سازگار تھے۔ کیونکہ معاشرہ واضح طور پر دو حصوں میں منقسم تھا، چنانچہ ایک باصلاحیت آدمی اٹھا اور کمزور اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے اور یوں انقلاب برپا ہوا۔

تاریخ پر یہ کس قدر ظلم ہے کہ جس شخص کے آباؤ اجداد میں قصی، عبد مناف، ہاشم اور عبد المطلب جیسے سرداروں کے نام آتے ہوں اسے اس کی اپنی قوم میں ایک معمولی خاندان کا فرد ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر قبیلہ بنو ہاشم اتنا کمزور ہوتا جتنا مستشرقین کو نظر آتا ہے اور دیگر قبائل قریش اتنے ہی طاقتور ہوتے جتنے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو وہ حضور ﷺ کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو وہ کمزور مسلمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ ہجرتِ مدینہ کے وقت محض اس وجہ سے ہر قبیلے سے ایک آدمی حضور کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے آیا کیونکہ وہ بنو ہاشم کے جوابی انتقام لینے سے خوف کھاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے والد بزرگ وار کے بارے میں منٹ گمری واٹ لکھتا ہے:

He died at a comparatively early age at Medina on his way back from a trading expedition to Gaza. This probably happened shortly before the birth of Muhammad. (11)

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے بارے میں شاید کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے:

He was probably a posthumous child. (12)

حضور ﷺ شاید یتیم تھے۔

واٹ نے اس تحریر میں شاید کا لفظ لکھ کر اپنی تحقیق کا کچھ اچھا نمونہ پیش نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں کسی کو (مشرقی مؤرخ ہو یا مغربی) شک نہیں کہ حضور ﷺ کے والد کی وفات ان کی پیدائش سے پہلے ہو گئی تھی۔ یہاں صرف اور صرف نبی ﷺ کے خاندان کے وقار کو گھٹانے کے لئے شاید کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسی طرح واٹ نے حضور ﷺ کی پیدائش ۵۷۰ء لکھی ہے:

Muhammad was born in the year of Elephant,.....This is usually held to be about A.D. 570 (13)

اس کے لئے اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا صرف یہ لکھا ہے کہ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے، جبکہ مولانا شبلی نعمانی نے ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول، دوشنبہ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء لکھی ہے۔

منٹ گمری واٹ اور دوسرے مستشرقین نے اسلامی تحریک کو طبقاتی تحریک ثابت کرنے کے لئے خاندان بنو ہاشم کا مرتبہ گھٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دولت مندوں کے مظالم سے تنگ آیا ہوا طبقہ سرمایہ داروں کے خلاف محمد ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ حالانکہ یہ وہ دعوت تھی جس پر لبیک کہنے والوں میں خدیجہ الکبریٰؓ اور ابو بکر صدیقؓ جیسے لوگ تھے جن کا معاشی مرتبہ کسی قریشی سردار سے کم نہ تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کے والد ماجد آپ کی پیدائش سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کے لئے ورثے میں کوئی بڑی جائیداد نہ تھی، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، لیکن ان تمام حقیقتوں کے باوجود حضرت ابو طالب مکے کے معزز افراد میں سے تھے اور ان کے اثر و رسوخ ہی کی وجہ سے قریش حضور ﷺ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے گھبراتے تھے۔ یہ تمام پاپڑ اس لئے بیلے گئے کہ وہ تحریک اسلامی کے آغاز اور ارتقاء کو جس انداز میں دیکھنا چاہتے تھے، اسے اسی انداز میں دیکھ سکیں، تاہم ان کی ساری کوششیں بے اثر ہیں حقیقت وہی ہے جو حضور ﷺ نے بتائی۔

انا محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم فرقة ثم جعلهم فرقتين فجعلني في خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خيرهم بيتا و خيرهم نفسا (۱۴)

میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے مخلوق کے بہترین طبقے میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دو گروہ بنائے اور مجھے بہترین گروہ میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبائل میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، پھر ان کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا۔ سو میں اپنے خاندان اور اپنی ذات دونوں لحاظ سے مخلوقات سے افضل ہوں۔

حضور ﷺ کی سماجی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش

جس طرح واٹ اور دوسرے مستشرقین نے حضور ﷺ کو ایک معمولی خاندان سے ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اسی طرح یہ کوششیں بھی کیں کہ آپ کو ایک بے بس اور معاشرے کا ٹھکرایا ہوا انسان ثابت کیا جائے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کو ایسا شخص قرار دے سکیں جو احساس محرومی کا شکار ہو اور اسلام کو آپ ﷺ کے احساس محرومی سے جنم لینے والی تحریک ثابت کر سکیں۔ واٹ حضور ﷺ کو رضاعی ماں کے سپرد کرنے کا سبب آپ کی یتیمی کو قرار دیتا ہے

> The fact that Muhammad was posthumous child may, of course, have been part of the reason for sending to a wet-nurse. (15)

یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد ﷺ یتیم پیدا ہوئے آپ کے مرضعہ کے سپرد کرنے کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یتیم ہونا ہو سکتا ہے۔ واٹ کی یہ منطق بڑی عجیب ہے کہ وہ کسی بچے کو مرضعہ کے سپرد کرنے کو اس بچے کی غربت اور بے بسی کی دلیل قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ رضاعی ماؤں کے حوالے وہی لوگ اپنے بچے کرتے ہیں جو رضاعت کے اخراجات کو برداشت کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور وہی بچے رضاعت کے لئے قبول کئے جاتے ہیں جن کے سرپرستوں سے انہیں بہتر اجر ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اور یہ مکہ کے معزز گھرانوں کا معمول تھا اور یہ عمل باعث عزت تھا۔ مکہ کے متمول اور سربرآوردہ لوگ اپنے بچوں کی عمدہ پرورش اور بہتر زبان دانی کے لئے ان کو دیہاتوں میں بھیجا کرتے تھے۔

یہ مفروضہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضور ﷺ احساس محرومی کا شکار تھے۔ واٹ لکھتا ہے:

> The absence of a father must have produced a sence of deprivation in Muhammad, and the real experience of poverty as a young man may well have nourished the sence of deprivation:(16)

> باپ کے نہ ہونے سے محمد کے دل میں احساس محرومی نے جنم لیا ہوگا اور بچپن اور لڑکپن کے تجربات نے اس احساس کو مزید تقویت دی ہوگی۔

جس بچے کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ ہو تو وہ احساس محرومی کا شکار ہوگا لیکن جس بچے کو اس کا عظیم دادا جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہو، چچا مرحوم بھائی کی نشانی سمجھتے ہوں، حلیمہ اور اس کے شوہر نے اپنے بچوں سے زیادہ شفقت دی ہو۔ اور جس عرب گھرانے سے وہ تعلق رکھتا تھا اس پس منظر کے حامل کے نوجوانوں کے اندر احساس محرومیت نہیں بلکہ خودداری، حریت، شجاعت اور مردانگی کے اوصاف جنم لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے ان بادیہ نشینوں کو اپنی رعایا میں شامل کرنے کی جرات نہ قیصر میں تھی نہ کسریٰ میں۔

جس طرح مکی دور میں آپ ﷺ کی حیثیت اور رتبہ کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ایسی ہی کوشش مدینے میں بھی کی گئی۔ چنانچہ واٹ لکھتا ہے:

> His powers under the consitution are so slight that they cannot have been much less at the beginning of his residence in Medina (17)

> میثاق مدینہ کے تحت آپ کے اختیارات اتنے معمولی تھے کہ آپ ﷺ کے مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں اس سے کم اختیارات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آگے لکھتا ہے:

> Muhammad as chief of the Emigrants was on a level with the chiefs of the various clans (18)

> محمد ﷺ مدنی قبائل کے سرداروں کے برابر ایک سردار تھے۔

مزید لکھتا ہے:

> He is very far, however, from being autocratic ruler of Medina. He is merely one among a number of important Men. (19)

آپ ﷺ مدینہ کے خودمختار حکمران ہونے سے کوسوں دور تھے۔ آپ متعدد اہم آدمیوں میں

سے ایک تھے۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ تمام معاملات کے فیصلے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے کرتے تھے۔ لیکن واٹ اسے آپ کی کمزوری گردانتا ہے۔

Muhammad is seen to be the chief of one of several co-operating groups, with little to mark him out from the others. (20)

محمد ﷺ بہت سارے اتحادی گروہوں میں سے ایک گروہ کے سردار ہیں اور کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرے۔

آپ ﷺ کے رتبے کو کم کرنے کے لئے منٹ گمری ایک اور وار کرتا ہے۔

To begin with, however, the message was more important than the messenger. The essential thing was the relation of the community or the individual to God. This implied some one to convey the message to the person or persons involved, but the messenger had no function beyond that of conveying the message. Later, however, the function of the messenger was seen to be more than this. (21)

ابتدا میں پیغام، پیغمبر سے زیادہ اہم تھا۔ اصل چیز فرد یا جماعت کا خدا کے ساتھ تعلق تھا۔ اس لئے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو متعلقہ شخص یا اشخاص تک پیغام کو پہنچادے لیکن پیغام پہنچادینے سے آگے پیغمبر کا کوئی کام نہ تھا۔ تاہم بعد میں پیغمبر کا کام اس سے زیادہ قرار دے دیا گیا۔

مدینے میں حضور ﷺ کے مرتبے کے متعلق اس قسم کی بے سروپا باتیں صرف وہی بدنصیب کرسکتا ہے جو تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے واضح حقائق سے صرف نظر کرے۔ واٹ نے اول تو حضور ﷺ کی حیثیت کو کم کرنے کے لئے کئی تخیلاتی مفروضے قائم کئے، ان سے بات نہ بنی تو پیغام اور پیغام بر کو ایک دوسرے کے مدمقابل قرار دینے کی کوشش کی۔ حالانکہ مسلمانوں کے نزدیک پیغام اور پیغام بر مختلف چیزیں نہ تھیں جو پیغام کتاب کی شکل میں اترا تھا اس پیغام کی علمی تفسیر پیغامبر کی ذات تھی۔

غرض یہ کہ حضور ﷺ کو مدینے میں ایک عام شہری ثابت کرنے اور پیغام اور پیغامبر کو ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن آخر کار وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ:

So long as Muhammad lived, his personal influence must have seemed to contemporaries to be the cement which

held the structure together. (22)

محمد ﷺ جب تک زندہ رہے یقیناً آپ کے ہم عصر یہی سمجھتے ہوں گے کہ محمد کی ذات قصر اسلام کو قائم رکھنے کے لئے سیمنٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مستشرقین نے بہت زیادہ کوششیں کیں کہ آپ ﷺ کی شخصیت کو گہنا دیا جائے اور آپ کو جعل ساز ثابت کیا جائے۔ باوجود ان تمام کوششوں کے حضور ﷺ کی شخصیت آج کروڑوں انسانوں کے لئے چراغ منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔اور آپ ﷺ کا ذکر پورے عالم میں بام عروج پر ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ O (۲۳)

اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى O (۲۴)

اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔

حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) مرگی کا مریض قرار دینے کی سازشیں

مستشرقین حضور ﷺ کی شخصیت کے وقار کو مجروح کرنے اور دنیا کی نظروں میں آپ کو بدنام کرنے کے لئے ہر دور میں سازشیں کرتے رہے ہیں اور بہت سے بے بنیاد الزام ان کی جانب سے دھرائے جاتے رہے ہیں۔ان میں ایک الزام یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) حضور ﷺ مرگی کے مریض تھے۔

مستشرقین نے جن واقعات سے حضور ﷺ کے مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کا سراغ لگایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے آپ کی والدہ کا فرشتوں کو دیکھنا

۲۔حضرت حلیمہ سعدیہ کی روایت کے مطابق فرشتوں کا آپ ﷺ کے سینے کو چاک کرنا

۳۔حالت وحی میں رسول اللہ ﷺ کی حالت کا متغیر ہونا

۴۔کفار مکہ کا آپ ﷺ کو مجنون کہنا

۵۔حضرت حلیمہ سعدیہ کا آپ ﷺ کے سر پر بادل کو سایہ کرتے دیکھنا

مندرجہ بالا واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ حضور ﷺ مرگی کے مریض تھے۔لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مستشرقین نے عملاً ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔تاہم منٹ گمری واٹ حضور ﷺ کے مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کی پرزور الفاظ میں تردید کرتا ہے۔

On some occasions at least there were physical

accompaniments. He would be gripped by a feeling of pain, and in his ear's there would be a noise like the reverberation of a bell. Even on a very cold day the bystanders would see great pearls of sweet on his forehead as the revelation descended upon him. Such accounts led some Western critics to suggest that he had epilepsy, but there are no real grounds for such a view. Epilepsy leads to physical and mental degeneration, and there are no signs of that in Muhammad, on the contrary he was clearly in full possession of his faculties to the very end of his life. (25)

نزول وحی کے وقت کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔آپ کو شدید درد کا احساس ہوتا، کانوں میں گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی، جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں بھی آپ کے چہرے پر پسینے کے موتی دیکھتے اس قسم کی چیزوں سے بعض مغربی نقادوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں۔مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کردیتی ہے لیکن محمد ﷺ کی ذات میں اس قسم کے آثار نظر نہیں آتے۔اس کے برعکس آخر تک آپ ﷺ ذہنی اور جسمانی طور پر صحیح اور سلامت تھے۔

مختصر یہ کہ کوئی ایسا واضح اور ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ جس کے تحت حضور ﷺ کو مرگی کا مریض قرار دیا جائے اور بے شمار مستشرقین آپ ﷺ کے مخالف ہونے کے باوجود اس الزام کی تردید کرتے ہیں:

اپنی رسالت پر حضور ﷺ کے ایمان کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش

مستشرقین نے اس بات کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ ابتدا میں حضور ﷺ کو نہ تو یقین تھا کہ آپ کے پاس جو کلام آتا ہے وہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی آپ کو یہ پتہ تھا کہ یہ کلام لانے والا خدا کا فرشتہ جبریل امینؑ ہے اور نہ آپ ﷺ کو یہ علم تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، بلکہ ابتدا میں آپ اللہ کے تصور سے بھی ناآشنا تھے اور یہ چیزیں آپ ﷺ پر وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ منکشف ہوئیں۔واٹ ایک مقام پر لکھتا ہے:

It is not surprising that Muhammad is reported to have been assailed by fears and doubts. There is evidence for this in the Quran as well as in the narratives of his life, though it is not certain that at what period he recieved the Quranic assurances that God had not forsaken him. (26)

اس بیان میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں کہ محمد ﷺ خوف اور شکوک میں مبتلا ہوئے اس بات کا ثبوت قرآن میں بھی موجود ہے اور سیرت کی کتابوں میں بھی، اگرچہ یقین کے ساتھ یہ کہنا ممکن نہیں کہ قرآن کے ذریعے آپ کو یہ یقین دہانی کس موقع پر کرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھوڑا نہیں۔

یہی مستشرق نزول وحی کے ابتدائی دور میں حضور ﷺ کی بے یقینی کو ان الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے:

Soon after the first revelation, he is said to have been encouraged to believe in his vocation by his wife Khadija and, more particularly by her cousin Warqah. (27)

ابتدائی وحی نازل ہونے کے بعد خدیجہؓ نے یقین دلایا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور خدیجہ سے بھی زیادہ یہ یقین دہانی آپ کو ورقہ بن نوفل نے کرائی۔

جب یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضور ﷺ کو ابتدا میں اپنے نبی ہونے کا یقین نہ تھا اور نہ ہی آپ کو یقین تھا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے تو مستشرقین کا کام مکمل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اسلام کو الہامی دین ماننے اور حضور ﷺ کو خدا کا سچا نبی ماننے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، جب ایک نبی کو اپنے نبی ہونے کا یقین دوسروں کے بتانے سے آئے تو اس کی صداقت کو دوسرے لوگ کیسے تسلیم کریں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقانیت اسلام صبح روشن کی طرح واضح ہے اس لئے تمام تر دشنام طرازیوں کے باوجود واٹ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ کٹھن مشن کے لئے یقین کامل لازمی ہے۔

To carry on in the face of persecution and hostility would have been impossible for him unless he was fully persuaded that God had sent him; and the receiving of revelations was included in his divine mission. (28)

اگر محمد ﷺ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر وحی نازل ہوتی ہے تو اذیتوں اور مخالفتوں کے طوفان میں آپ ﷺ کے لئے اپنے مشن کو جاری رکھنا ممکن نہ رہتا۔

حق تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے ایمان کی بار بار گواہی دی ہے تو پھر کسی کی سازشوں سے ایمان رسول مشکوک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۲۹)

مستشرقین کی کتابوں میں یہ بات عام ہے کہ وہ مسلمانوں کی حیرت انگیز کامیابیوں کی تابنا کی کو کم کرنے کے لئے یہ تصور دیتے ہیں کہ یہ محض اتفاق تھا کہ حضور ﷺ اس دور میں پیدا ہوئے جب اہل عرب اپنی قدیم مذہبی قدروں سے بے زار ہو چکے تھے اور ان سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔ چونکہ ماحول اس قسم کی تبدیلیوں کے لئے پہلے ہی تیار تھا اس لئے حضور ﷺ کا پیغام حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیلا۔ واٹ لکھتا ہے:

> It is axiomatic that the new religious movement of Islam must somehow or other have risen out of the conditions in Mecca in Muhammad's time. A new religion cannot come into being without a sufficient motive. (30)

> یہ بات واضح ہے کہ اسلام کی نئی مذہبی تحریک حضرت محمد ﷺ کے زمانے کے مکہ کے حالات سے ابھری ہوگی ایک نیا مذہب اس وقت تک وجود میں نہیں آتا جب تک اس کے لئے کافی عوامل موجود نہ ہوں۔

اسی طرح واٹ عرب میں توحید کا بیج بونے پر اسلام کو خراج تحسین پیش کرنے پر تیار نہیں بلکہ وہ اس کی اصل کہیں اور ڈھونڈتا ہے۔

> In other words, the Meccans, under Judaeo-Christian influence, must have been moving towards monotheism. (31)

> دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مکہ والے یہودیت اور نصرانیت کے زیر اثر توحید کی طرف رواں دواں تھے۔

واٹ نے اپنی کتابوں میں بار بار یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ عربوں کا معاشرہ جن سماجی، معاشی اور روحانی قدروں پر قائم تھا، وہ قدریں بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں، نئے حالات کے لئے نئی قدروں کی ضرورت تھی، حضور ﷺ نے حالات کی نبض پر ہاتھ رکھا، معاشرے کے حقیقی مرض کا سراغ لگایا اور معاشرہ جس قسم کی قدروں کے لئے تشنگی محسوس کر رہا تھا، آپ ﷺ نے کچھ اپنے تخیل کے زور سے اور کچھ دیگر ادیان کی نقل کر کے، چند قدریں وضع کیں اور انہیں قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ عرب ایسی قدروں کے لئے پہلے ہی چشم براہ تھے۔ انہوں نے فوراً ان کو قبول کرلیا۔ واٹ اپنے اس مفروضے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> During the years just before he received the call to prophethood Muhammad must have been increasingly

aware of the unsatisfactory social conditions in Mecca. This was something he could observe for himself and did not require to be shown by revelation. The fundamental source of the trouble was that the traditional values of nomadic society (which was that of the recent ancestors of the Meccans) were proving inadequate in the prosperous mercantile economy of Mecca, and were also the leading men of the calns were neglecting the traditional duty of caring for the needy and unfortunate among their kinsmen.....Muhammad may well have come to see the root of the troubles as the secular, materialistic outlook of the very wealthy, and may even have decided that this could only be got rid of by some form of religious belief". (32)

آغاز بعثت سے پہلے زندگی کے آخری سالوں میں محمد (ﷺ) مکہ کی مضطرب سماجی زندگی سے ضرور اچھی طرح آگاہ ہوں گے۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جن کا محمد (ﷺ) خود مشاہدہ کر سکتے تھے اور ان سے آگاہ ہونے کے لئے آپ کو وحی کی ضرورت نہ تھی۔ ساری پریشانی کا راز اس حقیقت میں مضمر تھا کہ زندگی کی بدویانہ قدریں جو مکے والوں کے آباؤ اجداد کی سماجی قدریں تھیں، وہ مکہ کی خوشحال تجارتی زندگی کا ساتھ نہ دے سکتی تھیں اور اسی وجہ سے ماند پڑ رہی تھیں۔ امیر تاجر اپنے قبیلوں کے سردار بھی تھے، وہ اپنے قبیلوں کے کمزور اور غریب افراد کی کفالت کے روایتی فریضے کو نظر انداز کر رہے تھے..... محمد (ﷺ) نے اس بات کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تمام مسائل کا اصل سبب امیر ترین افراد کا لادینی اور مادہ پرستانہ رویہ ہے اور آپ نے یہ بھی فیصلہ کر لیا ہوگا کہ ان مسائل کا حل صرف کسی مذہبی نظریے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

واٹ نے مذکورہ بالا جملے لکھتے وقت قرآن وحدیث کے ان بیانات کو پیش نظر رکھا ہے، جن میں مکہ والوں کو دولت پر اترانے اور غریبوں کی مدد نہ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر اسلام نے مکہ والوں کو صرف دولت کے بارے میں ہی ان کے رویے پر تنبیہ کی ہوتی تو واٹ کی بات میں کچھ وزن ہوتا لیکن اسلام نے تو سب سے پہلے ان کے مذہب پر حملہ کیا۔ ان کو بتایا کہ پتھر کے بت جنہیں تم خدا سمجھتے ہو، یہ تو اپنے چہرے سے مکھی اڑانے کے بھی قابل نہیں۔ اسلام نے انہیں پتھروں کی پوجا چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلایا، ان کو آخرت کی زندگی اور جزا و سزا کا تصور دیا، انہیں بتایا کہ ان کا رحمٰن ورحیم اللہ جس طرح

ہمیشہ انسانیت کی راہنمائی کے لئے رسول اور کتابیں بھیجتا رہا ہے، اسی طرح اس نے ان کی راہنمائی کے لئے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی آخری الہامی کتاب دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ مذہبی نظریات جو حضور ﷺ نے ان کے سامنے پیش کئے تھے، یہ ان کے روایتی مذہبی نظریات سے ٹکراتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور ﷺ کی مخالفت شروع کردی۔

واٹ حضور ﷺ کی رسالت کی ایک اور توجیہ یہ کرتا ہے کہ مکہ کی معاشی عدم مساوات نے حضور ﷺ کی نفسیاتی زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ آپ انتہائی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہونے کے باوجود معاشرے میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں کر سکے۔ اسی طرح اور بھی بے شمار باصلاحیت لوگ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں اور چند نااہل لوگ، دولت کے زور پر، سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ان جذبات نے حضور ﷺ کو بے چین کردیا آخرکار آپ کے جذبات دعویٰ رسالت ونبوت کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ واٹ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

> Yet he felt that his gifts were not being used to the full. He had a talent for administration that would have enabled him to handle the biggest operations then carried out in Mecca, but the great merchants exchuded him from there inner circle. His own dissatisfation made him more aware of the unsatisfactory aspects of life in Mecca. In these, hidden years, he must have brooded over such matters. Eventually what had been maturing in the inner depths was brought to light. (33)

> تاہم ان (محمد) کو احساس تھا کہ آپ ﷺ کی صلاحیتیں مکمل طور استعمال نہیں ہو رہی ہیں۔ آپ ﷺ اپنی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کے بل بوتے پر، اس وقت مکہ کے کسی بڑے سے بڑے کاروباری عمل کو کنٹرول کر سکتے تھے لیکن بڑے تاجروں نے آپ ﷺ کو کاروباری مرکز سے دور رکھا۔ آپ کی ذاتی بے اطمینانی نے آپ ﷺ کو مکی زندگی کے بے اطمینانی کے پہلوؤں کا احساس دلایا ہوگا۔ ان غیر معروف سالوں میں آپ ﷺ نے بارہا ان معاملات پر غور کیا ہوگا۔ آخرکار جذبات جو باطن کی گہرائیوں میں پک رہے تھے، وہ منظر عام پر آ گئے۔

منٹ گمری واٹ کی اس تقریر کی بنیاد اسی مفروضے پر ہے کہ حضور ﷺ کو کاروباری میدان میں اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع نہیں ملا، لیکن یہ مفروضہ تاریخ سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ کو

کاروباری میدان میں اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع بھی ملا تھا اور آپ نے اس میدان میں حیرت انگیز فتوحات بھی حاصل کی تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، پہلی دفعہ آپ ﷺ کی انہیں صلاحیتوں اور کاروباری کامیابیوں کی وجہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوئی تھیں اور انہوں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ جب آپ کی روحانی عظمتوں کا، مشاہدہ کیا تھا تو اپنا سب کچھ آپ ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا تھا۔

حضور ﷺ پر شرک کا الزام

مستشرقین نے حضور ﷺ پر شرک کا الزام بھی لگایا، واٹ لکھتا ہے:

> Despite this extirpation of Idolatory, many old ideas and practices were retained". (34)

گو اسلام نے بت پرستی کو ختم کیا لیکن اس کے باوجود اس نے بہت سارے مشرکانہ نظریات اور رسوم کو باقی رکھا۔

واٹ ایک اور مقام پر اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں حضور ﷺ پر بت پرستی کا الزام لگاتے ہوئے لکھتا ہے:

> "Muhammad's original belief may have been in Allah as high god, or supreme deity, combined with lesser local deities whom he may have come to regard as angels who could intercede with the supreme being". (35)

محمد (ﷺ) کا ابتدائی عقیدہ غالباً یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا خدا ہے اور اس کے علاوہ کچھ مقامی چھوٹے خدا ہیں، جن کو محمد (ﷺ) نے فرشتوں کا نام دیا، جو خدا کے حضور شفاعت کر سکتے تھے۔

مستشرق مذکور ایک اور جگہ لکھتا ہے:

> "It is further to be noted that in the early passages of the Quran there is no assertion that Allah is uniquely God. It is possible that Muhammad himself to some extent shared the belief of many of his contemporaries that Allah was a high god with whom other beings could intercede. It is unlikely that he thought of these beings as lesser deities, but, as just suggested, he many have thought of them as angels". (36)

مزید براں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کی ابتدائی سورتوں میں اس بات پر زور نہیں کہ

اللہ تعالیٰ خدائے واحد ہے۔ یہ بات ممکن ہے کہ محمد (ﷺ) کا، اپنے اکثر ہم عصر لوگوں کے مطابق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ بڑا خدا ہے، جس کے سامنے دوسری کئی چیزیں شفاعت کر سکتی ہیں۔ اس بات کا امکان تو کم ہے کہ آپ ان شفاعت کرنے والوں کو چھوٹے خدا سمجھتے ہوں، لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، آپ ﷺ اس مخلوق کو فرشتے سمجھتے ہوں گے۔

واٹ کو ان مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے جو اپنے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ مستشرق مذکور کی اور کئی عبارتیں ہیں جو واضح طور پر اسلام کو ایک مشرکانہ دین ثابت کرتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جنوں، فرشتوں اور شیاطین پر ایمان مشرکانہ نظریات تھے، جس کو اسلام نے بعض مصلحتوں کے تحت قائم رکھا۔ کبھی یہ مستشرق کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے بتوں پر جو حملے کئے، وہ حملے ان بتوں کے خلاف نہیں تھے جو خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے بلکہ آپ ﷺ کے حملے خانہ کعبہ کے علاوہ دیگر صنم کدوں کے اصنام کے خلاف تھے۔

تعدد ازواج کا مسئلہ اور مستشرقین

تعدد ازواج کے مسئلے پر مستشرقین تین پہلوؤں سے حضور ﷺ اور آپ کے دین پر حملہ کرتے ہیں۔ اولاً وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کو جنس پرستانہ تعلیم قرار دے کر اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ ثانیاً وہ حضور ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی امت کے مردوں کے لئے بیویوں کی جو حد مقرر کی، آپ نے خود اس پر عمل نہیں کیا اور اپنے لئے بیویوں کی تعداد کی کسی حد کو قبول نہیں کیا۔ ثالثاً وہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضور کی شادی کو ایک افسانہ محبت بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس طرح حضور ﷺ کو بندہ خواہشات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

منٹ گمری واٹ لکھتا ہے:

> We conclude, then, that virilocal polygamy, or the multiple virilocal family, which for long was the distinctive feature of Islamic society in the eyes of Christendom, as an innovation of Muhammad's. There may have been some instances of it before his time, but it was not widespread, and it was particularly foreign to the outlook of the Medinans. (37)

ایک خاوند اور کئی بیویوں پر مشتمل گھرانہ جو مدتوں عیسائیوں کی نظر میں اسلامی معاشرے کی

خصوصی پہچان رہا، وہ محمد (ﷺ) کے ذہن کی اختراع تھی۔ ممکن ہے کہ آپ سے پہلے اس کی چند مثالیں موجود ہوں لیکن یہ رسم عام نہ تھی اور خصوصاً اہل مدینہ کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی۔

واٹ ''سورۂ نساء'' کی وہ آیت تحریر کرتا ہے جس میں چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اور اس پر تبصرہ کرتا ہے:

The interesting point is that the verse is not placing a limit on a previous practice of unlimited polygamy. It is not saying to men who had had six or ten wives, you shall not marry more than four. On the contrary it is encouraging men who had only one wife (or perhaps two) to marry upto four. It is not the restriction of an old practice but the introduction of somthing new. (38)

دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ یہ آیت لامحدود کثرت ازواج کی سابقہ رسم کی حد بندی نہیں کر رہی۔ جن لوگوں کی چھ یا دس بیویاں تھیں، یہ آیت ان سے یہ نہیں کہہ رہی کہ تمہیں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کی ایک یا دو بیویاں تھیں، یہ آیت ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے کہ وہ چار تک شادیاں کریں۔ اس آیت میں کسی پرانی رسم پر پابندی نہیں لگائی جا رہی بلکہ ایک نئی چیز متعارف کرائی جا رہی ہے۔

اس مفروضے میں واٹ دیگر علماء کو بھی اپنا ہم خیال بتاتا ہے اور کہتا ہے:

"European scholars have recognized that this verse of the Quran is an exhortation and not a restriction."(39)

مغربی علماء نے قرآن کی اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس میں زیادہ شادیاں کی ترغیب دی جا رہی ہے، ان پر پابندی عائد نہیں کی جا رہی۔

تعدد ازواج کا دستور ہمیشہ انسانوں میں مروج رہا ہے اور اس کی وجہ سے کسی بھی انسان کے معاشرتی مقام میں کمی نہیں آئی۔ یہی حال حضور ﷺ کا بھی ہے لیکن جب ہم حضور کی حیات طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضور نے تمام شادیاں جنسی جذبے کی تسکین کے پیش نظر کی ہی نہیں تھیں بلکہ شادیوں سے آپ کے مقاصد اتنے بلند تھے کہ مستشرقین ان کے تصور سے بھی قاصر ہیں۔ حضور ﷺ کی شادیوں کے مسئلے پر تفصیلاً غور کرنے سے پہلے آپ کی حیات طیبہ کے مندرجہ ذیل حقائق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔حضور ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک کوئی شادی نہیں کی۔

۲۔آپ کے مردانہ حسن اور نسبی وجاہت کی وجہ سے ان عورتوں کی کمی نہ تھی جو آپ ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھیں۔

۳۔آپ ﷺ نے جنسی اباحیت کے ماحول میں اپنا عنفوان شباب تجرد کی حالت میں گزارا لیکن کسی کو آپ کے دامن عفت پر کوئی دھبہ نظر نہ آیا۔

۴۔آپ ﷺ نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی۔جس خاتون کو سب سے پہلے آپ نے اپنی زوجیت کا شرف بخشا وہ آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھی۔شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔حضور ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے وہ دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔

۵۔حضور ﷺ نے اپنی عمر کا پچیس سال کا عرصہ اسی واحد خاتون کے ساتھ گزارا جس کے ساتھ آپ سب سے پہلے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے۔اپنی عمر کے پچاسویں سال تک اور اپنی زوجہ محترمہ کی عمر کے پینسٹھویں سال تک، جب تک آپ کی وہ زوجہ محترمہ زندہ رہیں، آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔

۶۔پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے جس خاتون سے شادی کی وہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔

۷۔ایک زوجہ محترمہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی باکرہ نہ تھیں۔حالانکہ حضور ﷺ اپنے امتیوں کو باکرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ کے چہرے پر خوشبو اور مسرت کے کچھ آثار دیکھے تو آپ نے ان سے یہ گفتگو فرمائی۔

هل تزوجت قال: نعم... قال: بكرا ام ثيبا قال: بل ثيبا...فقال له صلوات الله عليه: فهلا بكرا تلا عبها وتلا عبك وتضا حكها وتضا حكك(۴۰)

آپ نے ان سے پوچھا کیا تم نے شادی کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! آپ نے پوچھا کیا تم نے کسی باکرہ عورت سے شادی کی ہے یا غیر باکرہ سے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! غیر باکرہ سے شادی کی ہے۔تو آپ نے فرمایا: تمہیں کسی باکرہ عورت سے شادی کرنی چاہئے تھی کہ وہ تمہارے ساتھ دل لگی کرتی اور تم اس کے ساتھ دل لگی کرتے۔وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرتی اور تم اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے۔

۸۔ حضور ﷺ نے متعدد خواتین کو اپنے نکاح میں لینے کے باوجود فرمایا:

مالی فی النسآء من حاجة (۴۱)

مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

۹۔ حضور ﷺ کی اکثر شادیاں پچپن سے لے کر انسٹھ سال تک کی عمر کے درمیان ہوئیں۔ جو شخص حضور ﷺ کی بیویوں کی تعداد کو گن کر آپ کے کردار کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے اور ایسا کرتے وقت مندرجہ بالا حقائق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ کیا اس شخص کو غیر جانب دار محقق اور انصاف پسند عالم کہا جا سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ جو شخص پچیس سال کی عمر تک مجرد رہے اور پچیس سال سے پچاس سال تک کا عرصہ ایک معمر خاتون کی رفاقت میں گزارے اور اس طویل عرصے میں کوئی جذبہ نہ تو اسے کسی غلط کام کی طرف متوجہ کر سکے اور نہ وہ مزید خواتین سے نکاح کا خیال اپنے دل میں لائے، کیا یہ بات ممکن ہے کہ جب اس شخص کی عمر پچپن سال ہو جائے تو یکایک اس کے جنسی جذبات طوفان بن کر امڈ آئیں اور عورتوں کی کوئی تعداد اسے مطمئن نہ کر سکے۔

حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی میں بے شمار داخلی شہادتیں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضور کی متعدد خواتین سے شادی کرنا جنسی خواہشات کی تسکین کی خاطر نہ تھا بلکہ اس کے مقاصد کچھ اور تھے۔

مستشرقین نے حضور ﷺ کی کردار کشی کے لئے حضرت زینب کی محبت میں گرفتار ہونے کا جو افسانہ تراشا تھا اس سے بھی وہ مطلوبہ مقاصد حاصل نہ کر سکے بلکہ خود ان کی صفوں میں سے متعدد لوگ سامنے آئے جنہوں نے اس افسانے کی تردید کر دی۔ وہ مغربی اہل علم جنہوں نے مستشرقین کے اس افسانے کو تاریخی حقائق کی روشنی میں پرکھا ہے انہوں نے اس کو بے بنیاد اور ناقابلِ تسلیم قرار دیا ہے۔ واٹ ان لوگوں میں سے ہے جو حضور ﷺ پر اعتراض کرنے کے مواقع تلاش کرتے ہیں۔ لیکن یہ افسانہ اس کو بھی ناقابلِ تسلیم نظر آیا ہے اور اس افسانے کے متعلق ایسے تاثرات کا اظہار کیا ہے جو حضور ﷺ کی اس قبیح الزام سے بری ثابت کرتے ہیں۔ واٹ لکھتا ہے:

"Despite the stories, then, it is unlikely that he was swept off his feet by the physical attractiveness of Zaynab. The other wives are said to have feared her beauty; but her age when she married Muhammad was thirty-five, or perhaps rather thirty-eight, which is fairly advanced for an Arab woman". (42)

ہر قسم کی کہانیوں کے باوجود یہ بات ناممکن ہے کہ زینب کی جسمانی کشش کی وجہ سے محمد

(ﷺ) کے قدم ڈگمگا گئے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ محمد (ﷺ) کی دوسری بیویاں زینب کے حسن سے خائف تھیں لیکن محمد (ﷺ) کے ساتھ شادی کے وقت ان کی عمر پینتیس بلکہ اڑتیس سال تھی۔ ایک عرب عورت کے لئے یہ عمر بڑی عمر شمار ہوتی ہے۔

منٹ گمری واٹ ایک اور مقام پر اس افسانے کے متعلق یہ تبصرہ کرتا ہے:

"It is most unlikely that at the age of fifty-six such a man as he should have been carried away by a passion for a woman of thirty-five or more". (43)

یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ محمد (ﷺ) جیسا ایک چھپن سالہ شخص ایک ایسی عورت کے متعلق جذبات کی رو میں بہہ گیا ہو جس کی عمر پینتیس سال یا اس سے بھی زیادہ تھی۔

منٹ گمری واٹ حضرت زینب کے ساتھ حضور ﷺ کی شادی کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"The criticism of Muhammad, then, was based on a pre-Islamic idea that was rejected by Islam, and one aim of Muhammad in contracting the marriage was to break the hold of the old idea over men's conduct. How important was this aim compared with others which he might have had?. (44)

زینب بنت جحش سے محمد (ﷺ) کی شادی کے وقت ان پر جو تنقید ہوئی تھی اس کی وجہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی جس کو اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ اس شادی سے محمد (ﷺ) کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کے رویے پر اس پرانی رسم کا جو غلبہ تھا، اس کو ختم کیا جائے۔ اس شادی کا یہ مقصد اس کے دیگر ممکنہ مقاصد کے مقابلے میں کتنا اہم تھا۔

سطور بالا میں جو حقائق پیش کئے گئے ہیں، ان کے پیش نظر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی دیگر تمام شادیاں خواہشات کی تسکین کے لئے نہیں ہوئیں تھیں بلکہ عظیم سیاسی، سماجی اور علمی مقاصد کی خاطر تھیں، اسی طرح حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح بھی انہیں عظیم مقاصد کی خاطر ہوا تھا۔

حضور ﷺ پر تشدد پسندی کا الزام

واٹ نے اپنی مختلف تحریروں میں زور و شور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا، اس لئے انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی

کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ لکھتا ہے:

"As these expenditions, even that to Badr, were razzias, where the aim was to capture booty without undue danger to oneself.(45)

بدر کی مہم سمیت یہ مہمیں ڈاکے تھے، اور ان کا مقصد یہ تھا کہ غیر ضروری خطرات مول لئے بغیر مال غنیمت اکٹھا کیا جائے۔

یہی مستشرق ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

"When one looks at all alternatives, however, it seems clear that even before he left Mecca Muhammad must have looked on raids on Meccan caravans as a possibility, even a probability. In the raids the Muslims were taking the offensive. Muhammad cannot have failed to realize that, even if the raids were only slightly successful, the Meccans were bound to attempt reprisals. In these little raids, then, he was deliberately challenging and provoking the Meccans. In our peace-conscious age it is difficult to understand how a religious leader could thus engage in offensive war and become almost an aggressor". (46)

جب انسان ان تمام معاشی امکانات کا جائزہ لیتا ہے جو محمد (ﷺ) کے پیش نظر تھے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ محمد (ﷺ) نے ہجرت سے پہلے ہی مکی کاروانوں پر حملوں کے امکان بلکہ غالب امکان پر غور کیا ہوگا۔ ان حملوں میں مسلمانوں کا رویہ جارحانہ تھا۔ محمد (ﷺ) اس بات کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے کہ گو ان حملوں میں ان کو معمولی کامیابی حاصل ہو، لیکن مکہ والے انتقامی کاروائی ضرور کریں گے۔ ان چھوٹے حملوں میں محمد (ﷺ) مکہ والوں کو چیلنج کر رہے تھے بلکہ ان کو اشتعال دلا رہے تھے۔ ہمارے امن پسند زمانے میں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ایک مذہبی راہنما کیونکر جارحانہ جنگوں میں مشغول ہو کر ایک جارح بن سکتا ہے۔

غزوات کو ڈاکے ثابت کرنے کی کوشش میں واٹ ایک اور جگہ لکھتا ہے:

Thus whether Muhammad incited his followers to action and then used their wrongs to justify it, or whether he yielded to pressure from them to allow such action, the normal Arab practice of the razzia was taken over by the

Islamic community. In being taken over, however, it was transformed. It became an activity of believers against unbelievers, and therefore took place within religious context." (47)

خواہ محمد (ﷺ) نے اپنے پیروکاروں کو جارحیت پر ابھارا ہو اور پھر ان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو اس عمل کو جواز مہیا کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا انہوں نے اپنے پیروکاروں کی طرف سے اس عمل کی اجازت دینے کے مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہوں، دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے ہاں معروف ڈاکہ زنی کے عمل کو امت مسلمہ نے اپنا لیا اور اس عمل کو اپنا لینے کے بعد انہوں نے اس کی ہیئت میں تبدیلی کر دی۔ اس طرح یہ ایک ایسا عمل بن گیا جو مومن کافروں کے خلاف سرانجام دیتے تھے اور (ڈاکہ زنی کا) یہ عمل مذہبی دائرے کے اندر سرانجام پاتا تھا۔

پھر مستشرق مذکور اس تبدیلی کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

The change from the razzia to the Jihad may seem to be no more than a change of name, the giving of an aura of religion to what was essentially the same activity. (48)

ڈاکے اور جہاد میں فرق صرف نام کی تبدیلی کا تھا۔ اس طرح وہ کام جو دراصل ڈاکہ ہی تھا اس کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی گئی۔

واٹ اسلامی جہاد کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Another point was doubtless present in Muhammad's mind. He forbade fighting and raiding between Muslims, and consequently, if a large number of Arab tribes accepted Islam or even merely accepted Muhammad's leadership, he would have to find an alternative outlet for their energies. Looking ahead, Muhammad probably realized that it would be neccessary to direct the predatory impulses of the Arabs outwards, towards the settled communities adjacent to Arabia, and he was probably conscious to some extent of the development of the route to Syria as a preparation for expansion. (49)

بلا شک وشبہ ایک اور نکتہ بھی محمد (ﷺ) کے ذہن میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو باہم لڑائی کرنے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اگر عرب کے قبائل کثرت سے

اسلام قبول کر لیتے یا محض محمد (ﷺ) کی قیادت کو تسلیم کر لیتے تو آپ کے لئے ضروری تھا کہ آپ عربوں کی قوت کے اظہار کے لئے کوئی متبادل راستہ تلاش کرتے۔ غالباً مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے، آپ نے یہ محسوس کیا کہ عربوں کے غارت گرانہ رجحانات کا رخ خارج کی طرف موڑنا ضروری ہوگا، ان پر امن علاقوں کی طرف جو عرب سے ملحق تھے۔ اور غالباً اپنی مملکت کی حدود کو وسیع کرنے کی خاطر، شام کے راستے پر آپ کی خصوصی نظر ہوگی۔

اسلام نے جنگ کے ایسے اصول مقرر فرمائے کہ ان اصولوں کی وجہ سے اسلامی جہاد ان جنگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے جو تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انسانوں نے توسیع پسندی اور دیگر قوموں کے استیصال کے لئے دوسروں پر مسلط کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○ (۵۰)

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

ایک دوسری آیت کریمہ ارشاد فرمایا:

وَقٰتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (۵۱)

اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر

جنگ کے اصولوں کی مزید تشریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ (۵۲)

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاں دشمنان دین کے خلاف جہاد کی تیاریوں اور عملاً جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

(۵۳)

اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف اور بھروسہ کیجیے اللہ پر۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ میں جہاد اسلامی کے اصول وضوابط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل تین چیزوں پر خصوصی غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ جنگ کس مقصد کے لئے ہو۔

۲۔ جنگ کس کے خلاف لڑی جائے۔

۳۔ جنگ میں کن کن شرائط اور قیود کی پابندی ضروری ہے۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ اسلامی جنگیں نہ آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے لڑی جاتی ہیں، نہ کسی قوم کی نسلی برتری کو ثابت کرنے کے لئے اور نہ صنعتی اور تجارتی مفادات کی خاطر بلکہ یہ جنگیں صرف حق کی بلندی کی خاطر لڑی جاتی ہیں۔ یہ جنگیں ان لوگوں کے خلاف لڑی جاتی ہیں جو تمہارے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ان شرائط کے ساتھ کہ کسی پر زیادتی مت کرو۔

قرآن کریم نے جہاد کے جو اصول پیش کئے تھے حضور ﷺ نے اپنے فرامین میں ان کی تفصیل فرما دی۔ آپ نے مختلف لشکروں کے مہموں پر روانہ فرماتے وقت مختلف ہدایات دیں۔ ایک لشکر کو الوداع کہتے ہوئے حضور ﷺ نے انہیں یہ وصیت فرمائی۔

انطلقوا باسم اللہ و علی برکۃ اللہ لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا امرأۃ ولا تغلوا فضموا غنائمکم واصلحوا و احسنوا ان اللہ تعالیٰ یحب المحسنین (۵۴)

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کے نام کی برکت کے ساتھ سفر جہاد پر روانہ ہو جاؤ۔ کسی بوڑھے شخص کو، کسی بچے کو یا کسی عورت کو ہرگز قتل نہ کرنا اور خیانت نہ کرنا۔ غنائم اکٹھا کرنا اور حالات کو درست کرنے کی کوشش کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی احسان کرنا بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کو جہاد کے بارے میں جو تعلیمات دی گئی ہیں ان کے تناظر میں مستشرقین کے الزامات کو دیکھا جائے تو ان کی تنگ نظر ظاہر ہوتی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ ان کے الزامات حقیقت سے کوسوں دور اور محض ذہنی تسکین کے لئے ہیں۔ نیز مستشرقین کی طرف سے حضور ﷺ کی شخصیت پر لگائے گئے الزامات

اور اعتراضات کو بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مستشرقین ان تمام حقائق سے آشنا ہونے کے باوجود محض روایتی تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر آپ ﷺ کے دامن کو داغ دار کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے۔قرآن نے سچ ہی کہا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (۵۵)

مراجع ومصادر

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸ء

۳۔ دار المصنفین، (اعظم گڑھ) مجلّہ معارف، جلد دوم، ۱۴۰۶/۱۹۸۶ء

۴۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، مکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور

۵۔ محمد علی صابونی، شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسول، دار العلم، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۰ء

6. Essays on Islam, Hamdard Foundation Karachi, 1993
7. Encyclopaedia of Ethics and Religion, 1987, London
8. Prophet Muhammad and his western critics, Zafar Ali Qureshi idara Ma'arif Islamia Lahore, 1992
9. Muhammad at Mecca, Edinburg University Press, U.K. 1988
10. Muhammad at Madina, Oxford clarendon Press 1956
11. Muhammad Prophet and States man Oxford University Press London, 1961

حوالہ جات

۱۔ مستشرقین اور سیرت نبوی، عماد الدین خلیل، بحوالہ اسلام اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ: ص ۱۵۰

2. Essays on Islam, P vii-viii

۳۔ محمد ایٹ مکہ پر ایک نظر، منٹ گمری واٹ، (ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن،) بحوالہ معارف اعظم گڑھ: ص ۲۰۸

۴۔ الرحیق المختوم: ص ۳۴

۵۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۵۔۲۰۴

۶۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس، ج ۸: ص ۸۷۲

۷۔ سنن الترمذی، کتاب المناقب، ج ۵: ص ۵۴۴۔۴۵

۸۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۸

۹۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۱۔۲

۱۰۔ ایضاً: ص ۳۸

۱۱۔ محمد ایٹ مکہ: ص ۳۲

۱۲۔ ایضاً: ص ۳۳

۱۳۔ محمد ایٹ مکہ: ص ۳۳
۱۴۔ سنن الترمذی، کتاب المناقب، ج ۵: ص ۵۴۰
۱۵۔ محمد ایٹ مکہ: ص ۴۷
۱۶۔ محمد ایٹ مکہ، ص ۱۔۵۰
۱۷۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۲۸
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۲۹
۲۰۔ ایضاً: ص ۲۲۹
۲۱۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۳۳
۲۲۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۳۸
۲۳۔ الانشراح: ۴
۲۴۔ الضحیٰ: ۴
۲۵۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۱۹۱
۲۶۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۲۱
۲۷۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۲۱
۲۸۔ ایضاً: ص ۱۷
۲۹۔ البقرہ: ۲۸۵
۳۰۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۱۴
۳۱۔ محمد ایٹ مدینہ: ۳۱۰
۳۲۔ محمد ایٹ مکہ: ص ۵۱
۳۳۔ محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹس مین: ص ۱۳
۳۴۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۷۷
۳۵۔ ایضاً: ص ۴۹
۳۶۔ محمد ایٹ مکہ: ص ۸۷
۳۷۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۷۴
۳۸۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۷۴
۳۹۔ ایضاً: ص ۲۷۵
۴۰۔ شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسول: ص ۱۱
۴۱۔ رحمۃ للعالمین، ج ۲: ص ۱۳۱
۴۲۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۳۳۱
۴۳۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۱۵۸
۴۴۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۳۳۰
۴۵۔ ایضاً: ص ۲۳۱
۴۶۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۱۰۵
۴۷۔ محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین: ص ۱۰۸
۴۸۔ ایضاً: ص ۱۰۸
۴۹۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۴۵
۵۰۔ البقرۃ: ۱۹۰
۵۱۔ البقرۃ: ۱۹۳
۵۲۔ البقرۃ: ۱۹۴
۵۳۔ الانفال: ۶۱
۵۴۔ کتاب المغازی، ترمذی
۵۵۔ البقرۃ: ۷

جواہر نبوی (جیبی سائز) سید فضل الرحمٰن
صفحات ۱۹۲ قیمت ۶۰
۳۱۳ مختصر احادیث (جوامع الکلم) خوب صورت رنگین طباعت
زوار اکیڈمی پبلی کیشنز: A/4-17، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

جدید کتب سیرت

۲۰۰۰ء۔۲۰۰۸ء

حافظ محمد عارف گھانچی ☆

آپ کی گفتگو و خطاب کا طریقہ، سیرت طیبہ کی روشنی میں/ پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی/ مکتبہ یادگار شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، ۲۰۰۷ء/ ۳۲۰ص

آنحضرت ﷺ کے بیان فرمودہ سبق آموز واقعات/ طلعت عفیفی محمد سالم/ مترجم: ابن سرور محمد اویس/ بیت العلوم، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۲۲۴ص

ادب مصطفیٰ/ محمد ندیم باری/ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ۲۰۰۶ء/ ۱۱۱ص

ازواج مطہرات/ عالم فقری/ شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۰ء/ ۱۴۲ص

اسلام ایک عالمی دعوت (سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں)/ مسرت شوکت چیمہ/ اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۰۰ء

اسلام کا تصورِ ہجرت/ حمید نعیم رفیع آبادی/ مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ص ۲۵۶

اسلام میں اہانت رسول ﷺ کی سزا/ ڈاکٹر محمد عثمان ندوی/ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۵ء/ ۶۴ص

اسوۂ حسنہ مع فضائل مصطفیٰ ﷺ/ مفتی محمد سلیمان قاسمی/ مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۲ء/ ۱۹۴ص

اسوۂ حسنہ/ پروفیسر حمید احمد/ طارق اکیڈمی، فیصل آباد، (طبع جدید) ۲۰۰۲ء/ ۲۷ص

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے غصے اور ناراضگی کے اسباب/ مفتی محمود حسنؒ/ زم زم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۴ء/ ۱۶۰ص

امام الانبیاء علیہ السلام/ محمد اقبال انجم/ تقسیم کار: تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۲۴۰ص

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن/ محمد اسلم فراق/ ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء/ ۱۳۲ص

☆ مدیر ''جہان سیرت''۔ کتب خانہ سیرت، کراچی

امہات المؤمنین/منصور احمد بٹ/عظیم پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء/۱۹۲ص

انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ نسب/محمد سہیل احمد/فیروز سنز، لاہور، کراچی، ۲۰۰۳ء/۱۳۸ص

انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ/محمد اشرف سیالوی/اہل السنہ پبلی کیشنز، جہلم، ۲۰۰۵ء/۱۸۴ص

انبیائے کرام کا بچپن/عبدالوارث ساجد، حافظ احمد درویش/صبح روشن پبلشرز، لاہور/۱۹۰ص

انبیائے کرام کی آزمائشیں/مولانا آصف تبسم/بیت العلوم، لاہور، ۲۰۰۷ء/۲۱۳ص

انقلاب مکہ، سیرت نبوی نزول قرآن کی روشنی میں/الطاف جاوید/فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۲ء/۵۰۷ص

انوار اسم محمد ﷺ/حفیظ احمد قادری/نوری کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۷ء/۲۸۲ص

انوارِ رسالت/فضل الٰہی/مکتبہ جمال کرم، لاہور، ۲۰۰۲/۱۷۶ص

ایمان بالرسول اور اس کے تقاضے/غلام سرور چٹھہ/دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد/۴۷ص

بدر الکبریٰ/مولانا محمد صدیق ملتانی/مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ۲۰۰۴ء/۱۳۶ص

بدر نامہ (رزمیہ مسدس)/علیم ناصری/دار اندلس، لاہور، ۲۰۰۲/۲۲۴ص

برکات آل رسول ﷺ/علامہ یوسف نبہانی/مترجم: عبدالحکیم شرف قادری/ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء/۳۲۰ص

پیارے رسول اللہ ﷺ کی پیاری بیٹیاں/پروفیسر خالد پرویز/حق پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء/۱۴۴ص

پیارے نبی ﷺ/قاضی محمد مطیع الرحمٰن/نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء/۵۶ص

پیغمبر اسلام ﷺ اور بنیادی انسانی حقوق/حکیم محمود احمد ظفر/بیت العلوم، لاہور، ۲۰۰۷ء/۴۳۵ص

پیغمبر امن ﷺ (سیرت النبی ﷺ ۲۱ صدی کے نئے چیلنجوں کے تناظر میں)/کیرن آرام اسٹرانگ/مترجم: یاسر جواد/نگارشات، لاہور، ۲۰۰۷ء/۱۷۶ص

پیغمبر امن ﷺ/حافظ محمد عباس/نوید ضیاء پبلی کیشنز، گوجرانوالہ، ۲۰۰۶ء/۱۹۲ص

تاریخ اسلام (سیرت النبی ﷺ)/مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ/عنوانات وحواشی اور نظر ثانی: حافظ تنویر احمد شریفی/مکتبہ اسدیہ اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۱ء/۶۸۰ص

تحفظ ناموس رسالت/مرتب محمد نعیم طاہر/اور عمل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء/۵۱۲ص

تخلیق کائنات/محمد اسلم لودھی/علم و عرفان، لاہور، ۲۰۰۴ء

تذکرۂ خیر الوریٰ/مفتی محمد ارشد/جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ۱۴۲۴ھ/۶۴ص

تعلیمات و برکات نبوت/ امیر محمد اکرم اعوان/ الخیر پبلی کیشنز، فیصل آباد، ۲۰۰۲ء/ ۳۵۲ص

تکملہ سیرت النبی/ علامہ عنایت اللہ مشرقی/ التذکر پبلی کیشنز، اچھرہ لاہور، ۲۰۰۱ء/ ج ۱، ص ۳۴۴ ص، ج ۲، ۳۹۲ص

جامع الصفات/ علامہ سید محمود احمد رضوی/ امیر ملت فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۰ء/ ۱۸۰ص

جدید سیرت النبی ﷺ/ حافظ محمد اسحاق ملتانی/ ترتیب مولانا زاہد محمود/ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۲۰۰۵ء/ ۱۶۰۰ص

جلوہ جاناں/ مولانا ابو النصر منظور احمد/ جامعہ فریدیہ، ساہیوال، ۲۰۰۱ء/ ج ۱، ۸۸۲ص، ج ۲، ۷۹۶ص، ج ۳، ۸۳۸ص، ج ۴، ۷۶۴ص

جلوہ فاران/ مولانا عنایت اللہ سبحانی/ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء/ ۳۰۴ص

جمال رسول ﷺ/ سید ابوالفیض سہروردی/ سیرت فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۰ء

جواہر اسلام/ منور حسن نقشبندی/ شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۸۳۲ص

جواہر نبوی ﷺ/ مولانا زاہد محمود/ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۳ھ/ ۶۳ص

جواہر نبوی ﷺ/ مولانا عبدالقادر عارفؒ/ تحقیق: ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر/ فاروقی کتب خانہ، ملتان/ ۳۴۳ص

جواہر نبوی ﷺ/ سید فضل الرحمٰن/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی/ ۱۹۲ص

جہانِ سیرت (کتابی سلسلہ نمبر ۱)/ مرتب: حافظ محمد عارف گھانچی/ کتب خانہ سیرت، کراچی، ۲۰۰۷ء/ ۱۱۲ص

جہانِ سیرت (کتابی سلسلہ نمبر ۲)/ مرتب: حافظ محمد عارف گھانچی/ کتب خانہ سیرت، کراچی، ۲۰۰۸ء/ ۹۶ص

حب رحمۃ للعالمین ﷺ/ خان ضیاء اللہ خان نیازی/ ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء/ ۳۸۰ص

حب رسول ﷺ کے تقاضے اور ہم/ عبدالقدیر یاس/ گوہر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۱۷۶ص

حب رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم/ حافظ سعد اللہ/ دارالشعور، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۴۰۰ص

حب مصطفیٰ ﷺ/ جاوید اقبال/ ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء/ ۲۲۴ص

حبیب کبریاء ﷺ کے اخلاق کریمانہ/ محمد عبداللہ حنیف/ ادارہ تعمیر انسانیت ٹرسٹ، کراچی، ۲۰۰۳ء/ ۱۱۰ص

حدیقۃ الصفاء فی اسماء النبی المصطفیٰ ﷺ / علامہ محمد ہاشم سندھیؒ / ترتیب وتہذیب: مولانا نوید انور / مکتبۃ الرازی، ۲۰۰۷ء / ۱۹۰ص

حسن سراپائے رسول ﷺ / ڈاکٹر محمد طاہر القادری / منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء / ۲۰۸ص

حسن مصطفیٰ ﷺ / حبیب اللہ اویسی / ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء / ۱۳۶ص

حضرت محمد ﷺ رسول اور انسان / محمد یوسف اصلاحی / البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء / ۲۴ص

حضور ﷺ کا بدر میں فیصلہ ہرگز خطا نہیں / مفتی محمد خان قادری / کاروان اسلام پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء / ۱۷۳ص

خاتم النبیین ﷺ / منشی نذیر احمد سیماب / ترتیب نو: محمد الیاس عادل / مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۷ء / ۲۴۸ص

خاندان رسول اکرم ﷺ / ڈاکٹر محمد دین / تاج کمپنی، لاہور، ۲۰۰۷ء / ۱۵۹ص

خصائل مصطفیٰ ﷺ / مفتی محمد رفیع عثمانی / ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۲ء / ۴۵۷ص

خطبات نبوی ﷺ / مولانا محمد داؤد راز / نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۵ء / ۴۸۸ص

خطبہ حجۃ الوداع (اسلامی تعلیمات کا عالمی منشور) / مولانا زاہد الراشدی / الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، ۲۰۰۷ء / ۱۲۸ص

خطبہ حجۃ الوداع / خلیق احمد نقشبندی / الرحیم پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۵ء / ۸ص

خلق عظیم / ڈاکٹر خالد علوی / دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء / ۱۷۰ص

خلق مجسم / سید فیض عباس بخاری / ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء / ۶۳ص

خوراک نبوی ﷺ / عالم فقری / تقسیم کار: شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۴ء / ۱۹۲ص

خیر البشر / عبد الشکور ساجد انصاری / انسٹی ٹیوٹ آف پنجابی لینگویج اینڈ کلچر، لاہور، ۲۰۰۵ء

درسی سیرت / مفتی طارق بشیر / بیت العلم، کراچی، ۲۰۰۲ء / تین جلدیں

ذکر الحبیب ﷺ / حاجی نواب دین چشتی / تقسیم کار: شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۱ء / ۳۰۶ص

رحمت لقب / محمد رفیق / اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۵ء / ۹۶ص

رسول اکرم ﷺ اور رمضان المبارک / پروفیسر شیریں زادہ خدوخیل / الفیصل، لاہور، ۲۰۰۷ء / ۱۶۰ص

رسول اکرم ﷺ کا اسلوب انقلاب / تسنیم کوثر / صادق پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

رسول اللہ ﷺ کا روزہ / امام قیمؒ / مترجم: ابوانس سرور گوہر / دار البلاغ، لاہور، ۲۰۰۵ء / ۱۴۴ص

رسول اللہ ﷺ کا معیارِ زندگی/ سید اسعد گیلانی/ منشورات، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۳۱ص
رسول اللہ ﷺ کا نظام امن عالم/ مولانا مجاہد الحسینی/ ۶۵۔ بی سیرت مرکز پیپلز کالونی، فیصل آباد، ۲۰۰۷ص/ ۳۳۶ص
رسول اللہ ﷺ کی بچپن وصیتیں/ حمزہ محمد صالح، مترجم محمود احمد/ دار اندلس، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۱۲۴ص
رسول اللہ ﷺ کی دس نصیحتیں/ مفتی عاصم عبداللہ/ مکتبہ حمادیہ، کراچی/ ۱۱۵ص
رسول اللہ ﷺ کی نظر میں دنیا کی حقیقت/ مولانا شاہ حکیم محمد اختر/ کتب خانہ مظہری، کراچی، (طبع جدید) ۲۰۰۴ء/ ۲۸۰ص
رسول اللہ ﷺ کے آنسو/ حافظ عبدالشکور شیخوپوری/ مقبول بکسٹال، شیخوپورہ، ۲۰۰۶ء/ ۱۴۴ص
رسول اللہ ﷺ کی مسکراہٹیں/ حافظ عبدالشکور شیخوپوری/ مقبول بکسٹال، شیخوپورہ، ۲۰۰۶ء
رسولِ رحمت اور غیر مسلم/ شفیق الرحمٰن شاہین/ دارالاندلس، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۸۰ص
رودِ قریش/ محمد یامین/ منزل عالمگیر، مکان نمبر ۳۲۲، بلاک ۶، لیاقت آباد، کراچی، ۲۰۰۶ء/ ۸۸ص
رہبر کامل ﷺ (تخریج و اضافہ شدہ)/ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ/ تقسیم کار: دار السلام، لاہور، ۲۰۰۱ء/ ۳۵۴ص
زیارت النبی ﷺ بحالتِ بیداری/ عبدالمجید ایڈووکیٹ/ فیروز سنز، لاہور، ۲۰۰۳ء/ ۱۰۶ص
سرکار ﷺ کے قافلے/ مفتی محمد اکمل قادری/ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور، ۲۰۰۴ء/ ۱۲۴ص
سرکارِ مدینہ/ مولانا حسرت موہانیؒ/ ترتیب نو و اضافہ محمد الیاس عادل/ مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۱۹۲ص
سرورِ کائنات/ سید آصف جاہ جعفری/ سیرت محمد ریسرچ اکیڈمی، ملتان، ۲۰۰۳ء/ ۳۱۷ص
سنت نبوی اور جدید علم نفسیات/ مولانا محمد ہارون معاویہ/ دارالاشاعت، کراچی/ ۶۳۲ص
سید الوریٰ (نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن)/ قاضی عبدالدائم دائم/ برائٹ بکس، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ج ۱، ۴۶۸ص، ج ۲، ۵۱۴ص، ج ۳، ۵۱۶ص
سیدنا محمد ﷺ رسولِ انصاف/ محمد ندیم باری/ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد/ ۱۲۷ص
سیرت اقدس ﷺ/ محمد قیوم اعوان/ ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء/ ۱۸۴ص
سیرت الرسول ﷺ کی اقتصادی اہمیت/ ڈاکٹر محمد طاہر القادری/ منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۲۵۴ص

سیرت الرسول ﷺ کی تہذیبی وثقافتی اہمیت/ ڈاکٹر محمد طاہر القادری/ منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۱۵۶ص

سیرت النبی کوئز/ شاید حمید/ بک کارنر، جہلم، ۲۰۰۱ء/ ۱۴۷ص

سیرت النبی ﷺ کے چند گوشے/ قاضی محمد مطیع الرحمٰن/ فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، لاہور/ ۱۹۳ص

سیرت النبی ﷺ/ فتح اللہ گولین/ مترجم: محمد یونس قریشی/ جہانگیر بکڈپو، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۳۷۶ص

سیرت النبی ﷺ (اعلان نبوت سے پہلے)/ مسعود مفتی ومنصور بٹ/ علم وعرفان، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۶۰۸ص

سیرت پیغمبر عالم ﷺ/ عبدالصمد رحمانی/ تحقیق وتجدید: محمد الیاس عادل/ مشتاق بک کارنر، لاہور/ ۵۰۴ص

سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ/ محمد نعیم اللہ خان/ شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۴ء/ ۱۲۹ص

سیرت رسول ﷺ/ پروفیسر سید نواب علی/ شمع بک، اردو بازار، کراچی، (طبع جدید) ۲۰۰۱ء/ ۳۶۶ص

سیرت سید الانبیاء/ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ/ مترجم: مفتی محمد علیم الدین/ مظہر عالم کالا خطائی اور شاہدرہ روڈ، لاہور، ۲۰۰۰ء/ ۶۰۱ص

سیرت سیدہ آمنہ/ ڈاکٹر عائشہ/ مترجم: ظفر اقبال کلیار/ زاویہ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء/ ۱۸۴ص

سیرت طیبہ/ محمد نواز/ ارباب ادب پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۲ء/ ۱۷۲ص

سیرت کا جمالیاتی بیان (قرآن حکیم کی روشنی میں)/ ڈاکٹر محمد طاہر القادری/ منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء/ ۴۹ص

سیرت کوئز/ حافظ فتح محمد نسیم/ زاویہ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء/ ۱۵۷ص

سیرت کے سچے موتی/ امیر حمزہ/ دارالاندلس، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۵۹۱ص

سیرت نگاری کے مآخذ اصول اور منہج تحقیق/ ڈاکٹر جنید ندوی/ ظلال القرآن فاؤنڈیشن، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء/ ۴۷ص

سیرت ہادی اعظم ﷺ/ کرم الٰہی اعوان/ ظلال القرآن فاؤنڈیشن، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء/ ۳۵۸ص

شان خاتم النبیین ﷺ/ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ/ تقسیم کار: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۲۰۰۲ء/ ۱۶۰ص

شانِ مصطفیٰ ﷺ/ ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی/ انصار السنہ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء/ ۲۵۵ص

شانِ نبی ﷺ/ سلیم یزدانی/ مجلس شاہ فرید، کراچی، ۲۰۰۳ء/ ۸۰ص

شاہراہ سنت/مفتی عبدالشکورؒ ندوۃ العلم، تقسیم کار: توکل اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۷ء/۲۵۵ص
شرح اسماء النبی الکریم ﷺ/محمد نعیم نگوری/مکتبہ جمال کرم، لاہور، ۲۰۰۶ء
شرح الاسماء الحسنٰی مع درود و وظائف (سرائکی)/جمشید کلانچوی اعوان/اکادمی سرائیکی، مارچ ۲۰۰۷ء/۲۷۱ص
شفیق ومہربان نبی ﷺ/سلیم یزدانی/مجلس شاہ فرید، کراچی، ۲۰۰۲ء/۸۸ص
شمائل مصطفیٰ ﷺ/مفتی محمد رفیع عثمانی/ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۳ء/۵۱۶ص
شمائل وخصائل نبوی ﷺ/مولانا محمد عبدالمعبود/مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۳ء/۶۹۶ص
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عشق رسول ﷺ (تخریج شدہ)/مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۲۰۰۶ء/۲۷۴ص
طب نبوی ﷺ اور جدید دور/پروفیسر حکیم وڈاکٹر شہزادہ ایم۔اے بٹ/بک کارنر، مین بازار، جہلم، ۲۰۰۳ء/۳۹۰ص
طب نبوی ﷺ/حافظ اکرام الدین واعظ/نوری کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۴ء/۱۳۵ص
عشق رسول ﷺ استحکام ایمان کا واحد ذریعہ/محمد طاہر القادری/منہاج القرآن، لاہور، ۲۰۰۳ء
عشق مصطفیٰ ﷺ کے حقیقی تقاضے اور گستاخانِ رسول ﷺ کا انجام/سید عارف شیرازی/ظلال القرآن فاؤنڈیشن، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء/۳۲ص
علمی سرگرمیاں (عہد رسالت وعہد صحابہ میں)/عبدالحی الکتانی/مترجم: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی/کتب خانہ سیرت، کراچی، تقسیم کار: مکتبہ فیض القرآن، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۷ء/۳۷۶ص
عہد رسالت کا خاموش انقلاب/شاہدہ منیر/صادقیہ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء
عہد نبوی کا نظام تعلیم/مولانا عبدالمعبود/مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء/۱۴۴ص
غزوات النبی ﷺ/مسعود مفتی/علم وعرفان، لاہور، ۲۰۰۳ء
غزوات میں معجزات رسول ﷺ/سید فیاض/مکتبہ نبویہ، لاہور، ۲۰۰۷ء/۲۱۶ص
غزوہ بدر/علامہ سید سعادت علی قادری/ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء/۱۹۲ص
فضائل رحمۃ للعالمین/محمد اقبال کیلانی/حدیث پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۸ء/۳۰۴ص
قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں/محمد کریم بخش/الفیصل، لاہور، ۲۰۰۱ء
قصص الانبیاء/امام طبریؒ/مترجمین: شعبہ تراجم لجنۃ المصنفین، لاہور/بیت العلوم، لاہور، ۲۰۰۷ء/۶۷۰ص